اردو شاعرات

کی

نعتیہ شاعری

خالد علیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اردو شاعرات اور ان کی نعتیہ شاعری

اردو شاعرات

اور

اُن کی نعتیہ شاعری

خالد علیم

مکتبۂ فانوس گوروارجن نگر ◉ لاہور

ضابطہ

بار اول — ستمبر ۱۹۹۵ء

مطبع — معراج پرنٹنگ پریس، لاہور

سرورق — اعظم خاں

کمپوزنگ — علیم کمپوزنگ لاہور

ناشر — عطیہ قدیر

قیمت — ۹۰/ روپے

انتساب

والدہ مرحومہ کے نام

چند اک برسوں کی مہربانی تک تھا
تیری اس مرگ ناگہانی تک تھا
تو چھوڑ گئی مجھے تو معلوم ہوا
میرا بچپن فقط جوانی تک تھا

خالد علیم

فہرست

۱	عرض ناشر	۱۰
۲	حرف اول	۱۱
۳	حرف اعتذار	۱۳
۴	خواتین اور شعر و ادب	۱۷

عصر اول

۵	اختر، نواب اختر محل	۲۶
۶	امت الکریم	۲۷
۷	پروین، بڑی بیگم (ام مشتاق)	۲۹
۸	خفی، بدر النساء بیگم	۳۰
۹	روشن، حضرت بی بی پھلواری	۳۲
۱۰	شرم، شمس النساء بیگم	۳۳
۱۱	شفیقا بدایونی	۳۴
۱۲	شیریں، نواب شاہجہان بیگم	۳۵
۱۳	ضرورت، شرف النساء بیگم	۳۷
۱۴	فرخ لاہوری	۳۸
۱۵	کنیز، منجھو خانم	۳۹
۱۶	کنیز، فاطمہ کنیز	۳۹
۱۷	کیفی	۴۰

۱۸ مجوب، زینت بی بی ۴۳
۱۹ منیر النساء حضرت بی بی پھلواری ۴۶

عصر جدید

۲۰ عصر جدید ۴۹
۲۱ اختر، سردار بیگم اختر حیدر آبادی ۵۱
۲۲ ادا جعفری، عزیز جہاں بیگم ۵۳
۲۳ انیسہ ہارون شروانیہ ۵۷
۲۴ بشیر، بشیر النساء بیگم ۶۳
۲۵ بہتر، خیر النساء بہتر ۶۵
۲۶ بیگم افضال ۶۷
۲۷ بیگم عروج ۶۹
۲۸ تبسم، فاطمہ فاروقی ۷۰
۲۹ تسنیم، امتہ اللہ تسنیم ۷۲
۳۰ تہنیت النساء بیگم ۷۵
۳۱ حمیدہ بیگم (ح - ب) ۷۹
۳۲ حیا، سکندر بانو حیا بریلوی ۸۵
۳۳ خورشید آرا بیگم ۸۶
۳۴ روحی علی اصغر ۹۱
۳۵ زاہدہ خاتون شروانیہ (ز - خ - ش) ۹۳
۳۶ زہرہ حیدر آبادی ۱۰۶
۳۷ سردار بانو الوری ۱۰۸
۳۸ سلمیٰ حیدر آبادی ۱۱۰
۳۹ ش - ا - شمیم جالندھری ۱۱۳
۴۰ طاہرہ بانو طاہر سعید ۱۱۶

۴۱ طلعت علویہ (ا - ب) ۱۱۸
۴۲ عفت مظفر نگری ۱۱۹
۴۳ علیا حضرت دلہن پاشا ۱۲۱
۴۴ محمودہ پھلواری ۱۲۲
۴۵ مخفی بدایونی ۱۲۳
۴۶ مریم قادری ۱۲۸
۴۷ مستور رضویہ ۱۲۹
۴۸ مظہر، سعیدہ عروج ۱۳۱
۴۹ معینہ انور حیدر آبادی ۱۳۴
۵۰ ناز بلگرامی ۱۳۵
۵۱ نازش، برجیس جود ۱۳۶
۵۲ نزہت، صالحہ نزہت ۱۳۹
۵۳ نسیم فاطمہ بریلوی ۱۴۱
۵۴ نسیم، وحیدہ نسیم ۱۴۲
۵۵ نور جہاں نور بدایونی ۱۴۴
۵۶ نوشابہ خاتون ۱۵۱
۵۷ حواشی ۱۵۶
۵۸ کتابیات ۱۵۸

حرف اول

تقریباً آٹھ سال پہلے میں نے اردو شاعرات اور ان کی نعتیہ شاعری پر کام کرنے کا آغاز کیا تو حسن اتفاق سے انہی دنوں دور حاضر کے نامور محقق اور ماہر آزادیات جناب ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہان پوری کا چھوٹی تقطیع پر ۱۱۲ صفحات پر مشتمل ایک مختصر تذکرہ "نعت گو شاعرات" کے نام سے شائع ہوا۔ تب میں نے اس موضوع پر کام کرنے کا ارادہ ترک کر دیا لیکن جب تذکرے کو بالاستیعاب دیکھا تو اندازہ ہوا کہ اس موضوع پر مزید کام ہونے کی ضرورت باقی ہے۔ دوسرے میرے پاس جو مواد تھا' وہ مذکورہ تذکرے سے کسی حد تک مختلف تھا۔ نیز یہ تذکرہ بہت ہی مختصر اور شاعرات کے حالات میں پانچ سات سطروں اور دو چار نعتیہ شعروں سے زیادہ مواد فراہم نہیں کرتا' تاہم نعت گو شاعرات کا ایک خاکہ وضع کرنے میں خاصا معاون ہے۔ اس تذکرے کو ایک لحاظ سے یہ اہمیت بھی حاصل ہے کہ نعت گو شاعرات کے بارے میں یہ اولین تذکرے کے طور پر سامنے آیا اور اس موضوع پر بنیادی ماخذ کی حیثیت رکھتا ہے۔

میں نے دوسرے بہت سے رسائل و کتب کے علاوہ اس تذکرے سے بھی استفادہ کیا اور ایک طویل مضمون کی صورت میں ماہنامہ "شام و سحر" کے نعت نمبر (سلسلہ نمبر ٦) میں فوری اشاعت کی خاطر اپنے کام کو سمیٹ لیا کہ مذکورہ نمبر کی اشاعت میرے مضمون کے باعث موخر چلی آ رہی تھی اور مجلے کے مدیر جناب خالد شفیق صاحب کا مستقل مگر مشفقانہ تقاضا میرے لئے شرمندگی کا بار گراں ثابت ہو رہا تھا۔ بہرحال مضمون شائع ہوا اور اس موضوع کے حوالے سے بہ نظر استحسان دیکھا گیا۔ بعض احباب نے اسے کتابی صورت میں شائع کرنے کی تحریک بھی دی' لیکن حصول معاش کی معروفیات اور پے در پے مسائل کے باعث اس کی کتابی صورت میں اشاعت معرض تعویق میں رہی۔ اس اشاعت

میں تاخیر کی ایک بنیادی وجہ یہ بھی رہی کہ "شام و سحر" میں مضمون کی اشاعت کے بعد اردو شاعرات کے سلسلے میں کچھ نیا مواد مجھے دستیاب ہوا اور بعض شاعرات کے کلام تک رسائی بھی ہوئی۔ بعد ازاں بہت سا مواد ترتیب بھی دے لیا گیا لیکن اس پر کام کرنے میں مسلسل مسائل کی دیوار حائل رہی۔ اور اب ریاض جیسے دور افتادہ شہر میں کتب و رسائل کے انبار کو اپنے ساتھ اٹھا کر لانا ایک مشکل ترین مرحلہ تھا چنانچہ بعض احباب کے تقاضے پر ماہنامہ "شام و سحر" میں اپنے مطبوعہ مضمون ہی کو بنیاد بنا کر قدرے ترمیم و اضافہ کے ساتھ کتابی صورت میں شائع کیا جاتا ہے۔ تاہم امید ہے کہ اشاعت ثانی میں اس کی تلافی کی جا سکے گی۔ ان شاء اللہ!

خالد علیم

الریاض، سعودی عرب

اگست ۱۹۹۴ء

حرف اعتذار

گزشتہ چند سالوں میں اگرچہ اردو نعتیہ شاعری اور نعت گو شعراء پر قابل قدر کام ہوا اور اب تک اس موضوع پر کوئی پانچ چھ کتابیں بھی طبع ہو چکی ہیں۔ اس کے علاوہ اردو کے بعض رسائل کے نعت نمبر بھی شائع ہوئے، بالخصوص ماہنامہ "تحریریں" اور "شام و سحر" کے سلسلہ وار نعت نمبر وغیرہ۔ نعت گو شعراء کے ایک دو تذکروں میں چند ایک شاعرات کی نعتیہ شاعری پر بھی لکھا گیا مگر اس سلسلے میں باقاعدہ کام کرنے کی کوشش نہیں کی گئی۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ اول تو اردو شاعرات کے جتنے بھی تذکرے اب تک مرتب ہوئے ہیں، ان میں اکثر شاعرات کے حالات اور ان کے عہد کا علم نہیں ہوتا اور چند اشعار کے سوا ان کا کلام بھی فراہم نہیں ہوتا، جس کے باعث ان کے شعری مزاج اور فکری صلاحیتوں کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔ ثانیاً ان کے نعتیہ کلام کا نمونہ بھی ان تذکروں میں نہیں دیا گیا، باوجود اس کے کہ تذکروں میں ان کی نعت گوئی سے دلچسپی کا اظہار بھی موجود ہے۔ دوسری بڑی وجہ یہ ہے کہ شعرائے اردو کے مقابل شاعرات کو اس قابل ہی نہیں سمجھا گیا کہ ان کے حالات و کلام کی جمع و ترتیب کا کام کیا جائے۔ اس کو ناقدری عالم کہیں یا مرد کا عورت پر ازلی احساس برتری، بہرحال خواتین کو درخور اعتناء ہی نہیں سمجھا گیا کہ ان کے حالات و کلام کو زمانے پر روشناس کیا جائے۔ گو یہ کہا جا سکتا ہے کہ اکثر شاعرات اردو کا کلام اس پائے کا نہیں کہ اسے شہرت دوام حاصل ہو تاہم یہ کہنے میں بھی عار نہیں کہ فارسی اور خصوصاً اردو کی ان گنت شاعرات کے ہاں جو پختگی کلام اور ندرت مضامین ہے، وہ شاید ان شعراء کے ہاں یکسر مفقود ہے، جن کا ذکر شعراء کے بے شمار تذکروں میں محفوظ ہے۔

شاعرات کے حالات و کلام کو محفوظ کرنے کا اہتمام پہلی بار ہمیں حکیم فصیح الدین رنج

مولف "بہارستان ناز" اور درگا پرشاد نادر مولف تذکرہ "چمن انداز"، "گلشن انداز" (تذکرۃ النساء) کے ہاں ملتا ہے لیکن افسوس ناک امر یہ ہے کہ ان تذکروں میں بھی شاعرات کے حالات پورے طور پر دستیاب نہیں ہوتے۔ بہت سی ایسی شاعرات ہیں، جن کا اصل نام تک معلوم نہیں ہو سکا۔ علاوہ ازیں ان تذکروں میں زمانی تقسیم کو بھی ملحوظ نہیں رکھا گیا۔ حروف تہجی کے قاعدے سے ان تذکروں کو مرتب کر دیا گیا ہے، جس کے باعث کسی بھی شاعرہ کے عہد کا تعین کرنا ناممکن ہے۔ مجھے بھی یہی طریقہ اختیار کرنا پڑا۔ البتہ میں نے اس اصول میں تھوڑی سی ترمیم کر کے شاعرات کے دو ادوار کا تعین کر دیا ہے۔ پہلے دور میں ان نعت گو شاعرات کا ذکر ہے، جو انیسویں صدی کے آخر تک زندہ تھیں یا ایسی شاعرات جو بیسویں صدی کے شروع میں زندہ تھیں مگر ان کی ولادت انیسویں صدی کے ربع چہارم سے پہلے کی ہے۔ دوسرے دور کی شاعرات وہ ہیں، جن کی ولادت بیسویں صدی میں ہوئی یا انیسویں صدی کے آخر میں پیدا ہوئیں مگر ان کے فکری رجحانات کا دائرہ کار بیسویں صدی کے افکار و نظریات اور آہنگ شعری سے نمو پاتا ہے۔

اس کتاب میں صرف ان شاعرات اردو کی نعتیہ شاعری پر لکھا جا رہا ہے، جن کے متعلق یہ ثبوت ملتا ہے کہ وہ باقاعدہ نعت گوئی کی طرف مائل تھیں، یا ایسی شاعرات، جو اسلامی رنگ میں شعر کہتی تھیں اور ان کا میلان طبع نعت کی طرف بھی رہا ہے، جس سے ان کی طبیعت میں نعت گوئی کی پاکیزہ فضا بھی قائم رہی لیکن ایک یا دو سے زیادہ نعتیں نہیں لکھ سکیں۔ تاہم ایسی شاعرات کا ذکر بھی اس کتاب میں کیا جا رہا ہے، جن کا ایک آدھ نعت کے سوا دوسرا کلام نہیں ملتا۔ ایسی شاعرات، جو عشقیہ بلکہ سوقیانہ شاعری کی طرف مائل رہیں لیکن تبرک کے طور پر ایک آدھ نعت یا چند نعتیہ شعر کہے، ان کا ذکر چھوڑ دیا گیا ہے کہ ان کی نعت گوئی کا باقاعدہ ثبوت نہیں مل سکا۔ گو یہ کہا جا سکتا ہے کہ نعت کے چند شعر بھی ان شاعرات کی نعت گوئی کی دلالت کرتے ہیں لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ایک سچے نعت گو کے ہاں جو پاکیزہ ماحول، طبیعت کی خاص موزونیت اور

عقیدت و ارادت ہوگی، اس سے وہ شاعر محروم ہوگا، جس کے ہاں یہ فضا موجود نہیں اور صرف رسماً یا تبرک کے طور پر ایک آدھ نعت کہہ لی ہو لیکن باقی کلام عشقیہ اور سوقیانہ جذبات کا مظہر ہو۔ ان شاعرات کا ذکر بھی چھوڑنا پڑا، جن کے متعلق شاعرات کے تذکروں میں یہ تو درج ہے کہ نعت گوئی سے انہیں خصوصی دلچسپی ہے لیکن نمونہ نعت دستیاب نہیں ہوتا۔ بعض شاعرات نے تو باقاعدہ نعتیہ دیوان مرتب کئے لیکن کوشش کے باوجود ان تک رسائی نہ ہو سکی۔

شاعرات اردو کے کلام و حالات کو محفوظ کرنے کی سب سے اہم اور بنیادی کوشش ۱۹۴۴ء میں محمد جمیل احمد بریلوی نے "تذکرہ شاعرات اردو" کی اشاعت سے کی۔ تاہم اس تذکرے سے اردو شاعرات کے بارے میں گرانقدر معلومات مہیا ہونے اور پھر بعض شاعرات کے کلام کا نمونہ تفصیل سے حاصل ہونے کے باوجود ان کی نعت گوئی پر محض ضمنی طور پر ذکر ملتا ہے۔ خصوصیت کے ساتھ کسی شاعرہ کا نمونہ نعت نہیں دیا گیا۔ اس کی وجہ غالباً یہی ہو سکتی ہے کہ اس زمانے میں نعتیہ شاعری کو وہ ادبی مقام حاصل نہیں تھا جو آج کسی بھی شاعر کی ادبی شناخت اور مقام کا تعین کرنے میں طرۂ امتیاز ہے --- بعد ازاں شفیق بریلوی مرحوم کا تذکرہ "شاعرات پاکستان" (مطبوعہ ۱۹۶۱ء) اور پھر سلطانہ مہر کا تذکرہ "آج کی شاعرات" بھی قدرے اہمیت کے حامل ہیں۔ نعت گو شاعرات کے بارے میں ان سب تذکروں سے میں نے ممکنہ حد تک استفادہ کیا ہے۔ اس طرح خاصی محنت سے وہ بہت سا مواد، جو کہیں نا کہیں بکھرا پڑا تھا، حاصل کیا۔ بعض کے دواوین تک بھی رسائی حاصل کی مگر اس کے باوجود کئی شاعرات کا نمونہ نعت دستیاب نہ ہو سکا حالانکہ چند ایک تذکروں میں ان کی نعت گوئی کا ثبوت ملتا ہے۔ بعض شاعرات کے دواوین، جن کے نمبرز لائبریریوں کے کیٹلاگز میں تو موجود ہیں مگر لائبریریوں کے شیلفوں میں عدم الوجود، اس بات کا ثبوت ہیں کہ علمی و ادبی خزانوں کی ہلاکت ہمارے تجاہل عارفانہ کی علامت ہی نہیں بلکہ کاربیکاراں کی ترویج کا عملی جامہ بھی ہے۔ چنانچہ ان شاعرات کے دواوین کی عدم دستیابی

سے ان کی نعتیہ شاعری کا حصول ناممکن رہا اور یوں کئی شاعرات کی نعت گوئی کا ثبوت ہونے کے باوجود ان کا ذکر اس کتاب میں نہ کیا جا سکا۔

خواتین اور شعر و ادب

عورت خدائے عز و جل کی طرف سے محبت و عظمت کا ایک بہترین عطیہ ہے، جس کی اہمیت اور خصائص و صفات کے ظہور سے وہ مرد کے لئے نشاط پیہم کا ذریعہ بنی اور شعبہ ہائے حیات میں اس کے وجود کے بغیر عناصر زندگی کا ارتقائی عمل ناممکن ٹھہرا۔ عورت کا وجود مرد کے لئے ارتباط روحانی کے باعث فردوس دل و نگاہ ہے اور دنیا کی بڑی سے بڑی راحت کا حصول بھی اس کے مقابل ہیچ ہے۔ یہ عورت کے وجود کی کرشمہ سازیاں ہیں کہ روح میں پاکیزگی، خیالات و عزائم میں بلندی اور زبان میں حلاوت پیدا ہوتی ہے۔ گویا عورت کی تخلیق نے انسان کے دل و دماغ میں پاکیزہ جذبوں اور ارفع خیالوں کو جنم دیا، جس سے عظمت آدم کی حقیقت جلوہ گر ہوئی اور بنی نوع انسان کو اشرف المخلوقات کا درجہ حاصل ہوا۔ عورت کے وجود سے یہ کرہ ارضی روشن و تابناک اور تصویر کائنات میں رنگ پیدا ہوا۔ اگر اس کی تخلیق نہ ہوتی تو زندگی کا وجود بے معنی ہوتا، اجالے بھی اندھیروں کا منظر پیش کرتے۔ چاند، سورج، ستارے ہر چیز گہنا گئی ہوتی۔ شاعری، موسیقی، مصوری غرض دنیا کی ہر لطیف چیز انسان کے قلب و نظر کے لئے سکون و راحت کا باعث نہ بنتی۔ علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے کلام خصوصاً ضرب کلیم میں عورت کی تخلیقی عظمت اور لطافت نسوانی کے متعلق اپنے علو فکر کی نہایت اعلیٰ مثالیں پیش کی ہیں۔ اس طرح دنیا کے ہر بڑے سے بڑے مفکر نے اپنی وسعت فکر کے مطابق عورت کی عظمت کا اقرار کیا اور اس کے وجود کو صنعت خداوندی کا کرشمہ عظیم قرار دیا ہے۔

عورت اگرچہ جسمانی اعتبار سے مرد کے ہم پلہ نہیں لیکن عقل و بصیرت میں بعض مقامات پر مرد سے بھی چند قدم آگے ہے۔ قدیم زمانے میں عورت کو ناقص العقل سمجھا جاتا تھا لیکن اسلام نے عورت کی عقل و فہم کی نشاندہی کر کے اس کے رتبے کی پہچان

کروائی اور مرد کو اس کے مقدس رشتوں کی پہچان کروا کے اس کی کھوئی ہوئی عظمت
واپس دلائی۔ عورت کے اندر عقل و فہم نام کی کوئی شے نہ بھی ہو تو پھر بھی اس کا مقام و
مرتبہ مرد کے لئے لائق احترام ہے کہ عورت اگر بیوی کے رشتے سے پہچانی جاتی ہے تو اس
سے کہیں زیادہ مقدس رشتہ اس کا بحیثیت ماں، بہن اور بیٹی کا ہے۔

مکالمات فلاطوں نہ لکھ سکی لیکن
اسی کے شعلے سے ٹوٹا شرار افلاطوں

قدیم زمانے میں مرد کو یہ زعم تھا کہ فہم و فراست اور علم و ادب کا وہ تنہا وارث ہے
اور عورت دانش و حکمت اور ذہانت سے عاری مخلوق ہے، لیکن اسلامی تعلیمات نے فہم و
فراست کے باب میں عورت کو بلند تر درجہ عطا کیا۔ اسلام سے قبل عورت کو نہ صرف
ناقص العقل بلکہ ذلت و پستی میں گرا کر نجس اور ناپاک مخلوق تصور کیا جاتا تھا۔ حکمائے
قدیم کی نظر میں عورت ایک فتنہ تھی، جس سے مرد کو بچنے کی تلقین کی جاتی تھی۔ یونان
اور دیگر کئی ممالک میں عورت کو صرف ایک جنسی رفاقت کے طور پر ہی قبول کیا جاتا تھا۔
معاشرے میں اس کو عزت و حرمت حاصل ہونا دشوار ترین بلکہ ناممکن امر تھا۔ یونان میں
اعلیٰ سے اعلیٰ تمدن کے زمانے میں بھی سوائے طوائف کے کسی عورت کی عزت نہ تھی۔
بابل میں کنواری لڑکیوں کو لوگ منڈیوں میں لے جا کر فروخت کر دیتے تھے۔ عورت کا عام
معاشرت میں کوئی حصہ نہ تھا۔ مرد جس طرح چاہتا، اس کے ساتھ سلوک کرتا۔ عورتوں پر
ناقابل بیان ظلم توڑے جاتے۔ وحشیوں کی صحبت اور مرد کے طرز عمل نے عورت کو
تذلیل و حقارت کا مجسمہ بنا دیا تھا۔ یورپین مورخین بھی ماضی میں عورت کی اس بدترین
حالت کا اعتراف کرتے ہیں۔

نسائیات کی قدیم تاریخ دنیا کی دردناک داستان ہے کہ مشکل سے کوئی شخص اس کی
صحت پر یقین کرتا ہے، حالانکہ یہ دلخراش حقیقت اپنی جگہ قائم ہے کہ مرد نے اس آغوش
کو مجروح کیا، جس میں اس نے پرورش پائی اور اس سینے کو زخمی کیا، جس سے اس کا رشتہ

حیات استوار ہوا۔ جہالت و بربریت کی تاریخ اٹھا کر دیکھی جائے تو واضح ہو جاتا ہے کہ
تہذیب و عمرانیات کے زمانے میں بھی کوئی ایسا وحشیانہ سلوک نہ تھا، جو عورت کے ساتھ
عمل میں نہ لایا گیا ہو۔ اور دنیا کی کوئی ذلت ایسی نہ تھی، جو اس قابل احترام ہستی کو
برداشت نہ کرنی پڑی ہو۔ مورخین اور ماہرین علوم عمرانی میں شاید ہی کوئی ایسا ہو جو اس
مظلوم ترین مخلوق کے ساتھ روا رکھے گئے سلوک پر متفق نہ ہو ورنہ متحد الخیال مفکرین کا
یہی خیال ہے کہ عورت اسلام سے قبل دنیا کی ذلیل ترین مخلوق سمجھی جاتی تھی۔

قدیم دور کے حکماء اور فلسفیوں نے جابجا عورت سے نفرت کا اظہار کیا ہے۔ یونانی
حکماء کے مطابق ''اگر انسان آگ سے جل جائے تو اس کا علاج ہو سکتا ہے، اگر سانپ اور
بچھو ڈس لے تو بھی اس کا علاج ممکن ہے لیکن عورت اگر ڈس لے تو اس کا کوئی تریاق
نہیں''۔ ہندوستان کے قدیم ہندو عالموں اور رشیوں تک نے عورت ذات کو بدچلن،
دھوکے باز اور فاسق قرار دیا ہے۔ منوجی نے شودر عورت کو مذہبی اور قانونی تعلیم دینے
سے منع کیا ہے۔ بھگوت گیتا کے مطابق ''عورت اور خراب برہمن وید سننے کے قابل
نہیں۔ ہندوؤں میں خیال کیا جاتا تھا کہ عورت کو تعلیم دینا بندر کے ہاتھ میں چھری دینے
کے برابر ہے''۔ (شریف بی بی شمارہ اپریل ۱۹۰۹ء)

قدیم دور میں عورت کے ساتھ وحشیانہ سلوک اور حکمائے زمانہ قدیم کی نظر میں
عورت کی حیثیت دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کے ہر خطے کا مرد اسلام سے پہلے عورت کو
ذلت و رسوائی کے گہرے غار میں دھکیل چکا تھا اور اس ذات کے ساتھ اس نے یہ بہیمانہ
سلوک کیا تھا، جس نے اسے جنم دیا۔ انتہائی افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ عیسائیت اور
یہودی مذاہب کے علماء نے بھی عورت کو حقارت کی نظر سے دیکھا ہے۔

ترتولیاں مسیحیت کے ابتدائی دور کا امام ہے۔ وہ مسیحی تصور کی ترجمانی اس انداز سے کرتا
ہے:

''وہ شیطان کے آنے کا دروازہ ہے۔ وہ شجر ممنوعہ کی طرف لے جانے والی، خدا کے

قانون کو توڑنے والی اور خدا کی تصویر' مرد کو غارت کرنے والی ہے"۔ (پردہ - مولانا مودودی رحمہ اللہ تعالی)

کرائی سوسٹم جو ایک بہت بڑا مسیحی امام تصور کیا جاتا ہے' عورت کے حق میں لکھتا ہے :

"ایک ناگزیر برائی' ایک پیدائشی وسوسہ' ایک مرغوب آفت' ایک خانگی خطرہ' ایک غارت گر دلربائی اور ایک آراستہ مصیبت ہے"۔ (پردہ)

یہ تو قدیم دور کے واقعات و نظریات کا مختصر سا ذکر ہے۔ یورپ اور رومتہ الکبریٰ' جہاں عیسائیت اپنے عالم شباب پر تھی اور مبلغین امن کی تبلیغی جماعتیں تعلیمات مسیح کے لئے ہر سو سرگرم کار تھیں' اس اعتبار سے اس قدر پستی میں تھا کہ اپنی کوئی نظیر نہیں رکھتا۔ یہاں عورتوں کو لونڈیوں سے بھی بدتر سمجھا جاتا تھا۔ ان پر جانوروں کی طرح حکم چلایا جاتا اور نہایت معمولی غلطی پر بھی قتل کر دیا جاتا تھا۔ بے بنیاد الزام عائد کر کے عورتوں کو آگ میں جھونک دینا معمولی کھیل تھا۔ بدر امروہوی کی کتاب "آفتاب حرم" میں لکھا ہے کہ

"الگزینڈر ششم نے ۱۴۹۴ء میں' لوئی دہم نے ۱۵۲۱ء میں اور اڈرین ششم نے ۱۵۲۲ء میں جس سفاکی اور بے رحمی کے ساتھ عورتوں اور ان کے بچوں کو جادو کے الزام میں ذبح کیا' یہ واقعات تاریخ یورپ کے صفحات سے کبھی محو نہیں ہو سکتے۔ ملکہ الزبتھ اور جیمز اول کے عہد میں ہزاروں عورتوں کو اس الزام میں جلا ڈالنا اور لانگ پارلیمنٹ کے زمانے میں سولی پر چڑھا دینا تاریخ کے نمایاں واقعات ہیں"۔ (آفتاب حرم ص ۲۳۳)

اس کے علاوہ بے شمار ایسے واقعات ہیں' جو یورپ کے متمدن دور میں بھی رونما ہوئے' عورتوں پر اپنی بہیمیت اور سفاکی کی مثال نہیں رکھتے۔

یونان' روم' عراق' مصر' عرب' الغرض دنیا کے ہر ملک میں اسلام سے قبل عورت پر

ظالمانہ سلوک کے ایسے ایسے واقعات ملتے ہیں کہ پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اس انسانیت سوز سلوک کو اسلام نے ختم کیا اور عورت کو وہ درجہ اور عظمت عطا فرمائی کہ دنیا کے بڑے سے بڑے فلاسفر کے تصور میں بھی نہ تھی۔

نصیرالدین ہاشمی اپنی کتاب "خیابان نسواں" میں لکھتے ہیں کہ "موسیو لیبان اور پروفیسر اسکاٹ اس امر کا اعتراف کرتے ہیں کہ عورتوں کی عزت اور ان کی ترقی کی بنیاد مسلمانوں سے اخذ کی گئی ہے" چنانچہ لیبان لکھتا ہے کہ "اسلام وہ پہلا مذہب ہے' جس نے عورتوں کی حالت کو درست کیا"۔

طلوع اسلام کے بعد ظلم و جور میں پسنے والی اس مخلوق کو پوری قوت کے ساتھ اسلام نے اپنے سایہ رحمت میں لپیٹ لیا۔ ناموس نسوانی کو زندگی بخشی۔ بدکاری و بے راہروی کے باب کو بند کر کے عزت و عصمت اور حیا کے چشمہ سے اس کے دامن داغدار کو دھویا گیا۔ مرد کی حاکمیت کو فطری قانون کے مطابق ڈھالا گیا۔ مرد و زن کے تعلقات کو آئین و قانون کی رو سے قائم کیا اور جنسی میلانات کو اعتدال و ضابطہ کا پابند بنا کر نسل انسانی کو صحت بخش طریقوں سے اضافہ کرنے کا اہل بنایا۔ عورت بجائے لعنت کے رحمت خداوندی کا مظہر ٹھہرائی گئی۔ اسلام نے عورت کے قدر و مرتبہ کا تعین کر کے اس کی عظمت میں اضافہ کیا اور مرد کی قدر و قیمت بھی اس کے طفیل بڑھ گئی۔

اسلام کی نظر میں عورت حیات انسانی کا وہ مقدس روپ ہے' جس کے بغیر مرد کا ہر روپ بیکار ہے۔ عورت کی تخلیق اور اس کے وجود سے مرد کی شان و شوکت ہے۔ قرآن حکیم میں جابجا عورتوں کے مرد کے ساتھ مساوی حقوق کا ذکر کیا گیا ہے۔ اسلام نے مرد اور عورت کو ایک ہی چشمہ کی دو موجیں قرار دیا۔ عورت کوئی الگ مخلوق نہیں بلکہ دونوں کا منبع و مخرج ایک ہی ہے اور اگر کوئی فضیلت رکھتا ہے تو وہ خالصتاً پرہیزگاری اور تقویٰ کی بنیاد پر۔ اس میں عورت اور مرد کی تمیز نہیں۔ دونوں انسان ہیں اور دونوں کا عمل ادنیٰ اور اعلیٰ بھی ہو سکتا ہے۔

اسلام نے عورت کو عظمت و رفعت کا لباس پہنایا تو اس کے اندر خود آگہی اور شعور پیدا ہوا۔ احساس کمتری کے گہرے غار سے نکل کر خود شناسی اور علم و عرفان کی بلندیاں طے کیں۔ زہد و تقویٰ، علم و آگہی، ادب و فن اور دنیا کے تمام علوم و فنون تک رسائی حاصل کی۔ علم کی مسند پر بیٹھی تو بڑے بڑے علماء کو لاجواب کر دیا۔ شعر و ادب کی بساط بچھائی تو بڑے بڑے شعراء کو مات دی۔ جنگ و جدل کے میدان میں اپنی بہادری سے ثابت کر دکھایا کہ وہ اس طور بھی مرد سے کمزور نہیں۔ غرض ہر کام میں اپنی اعلیٰ فکری کا ثبوت دیا۔ مرد کی جہالت اور ظلم و ستم کا شکار ہونے کے باوجود عورت ازمنہ قدیم میں بھی مہذب و متمدن رہی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ مرد نے اس کی ذہانت کی قدر نہیں کی۔ علم خداوند قدوس کا عطیہ ہے۔ آدم کو تعلیم دی گئی تو حوا کو محروم نہیں رکھا گیا اور تاریخ کے اوراق اس حقیقت کے آئینہ دار ہیں کہ عورت نے زندگی کے ہر شعبہ میں مرد کے مقابل اپنی ذہانت علمی کا ثبوت دیا ہے۔ آدم علیہ السلام کے بعد ارض مقدس، یونان و روما اور ہندوستان کی بہت سی عورتیں تعلیم یافتہ تھیں۔ سیفو، ہپیا، لیلاوتی، اعلا اور سنتھا (Santha) کے ذکر میں تاریخ شاہد ہے کہ علم و ادب میں ان خواتین کا کیا درجہ تھا۔ اس طرح حنا کی شاعری کا ثبوت انجیل سے ملتا ہے۔

عرب میں خطابت و شاعری کا زور تھا، چنانچہ خواتین کے نام بھی مہتم بالشان ہیں۔ مثال کے طور پر آمنہ اور بنت عتبہ بن حارث، اخت النضر، اروی، اسماء، امامہ اور خذام وغیرہ فصاحت و بلاغت میں مشہور ہیں۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ بھی فصیح و بلیغ شاعرہ تھیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نہ صرف علم حدیث و فقہ میں کامل تھیں بلکہ علم ادب، تاریخ اور طب میں بھی ان کو کمال حاصل تھا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا (جگر گوشہ رسول) بھی علوم مروجہ میں ید طولیٰ رکھتی تھیں۔ اس طرح بے شمار صحابیات فصاحت و بلاغت اور شعر و ادب میں بھی شہرت رکھتی ہیں۔ خنساء رضی اللہ عنہا (مخضرم شاعرہ) ایک زبردست مرثیہ گو تھیں۔ تاریخ ادب عربی مولفہ استاد احمد حسن زیات (مترجم

اردو) میں تحریر ہے کہ خنساء حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اسلام قبول کرنے کے لئے حاضر ہوئیں تو آپ ان کے اشعار سن کر جھومنے لگے۔ امامہ قبیلہ زید کی مشہور شاعرہ تھیں، جن کو اشعر الشعراء کا لقب عطا ہوا تھا۔

خلفائے راشدین کے زمانے میں بھی بہت سی خواتین حدیث و فقہ اور شاعری میں فصاحت و بلاغت کے درجے پر فائز تھیں۔ حفصہ بنت عبدالرحمان بن ابی بکر صدیق بہت بڑی محدثہ تھیں۔ ام حکیم بنت قارظ عبید اللہ (ابن عباس کی زوجہ) نہایت فصیح شاعرہ تھیں۔ معاویہ نے ان کے لڑکوں کو قتل کر دیا تھا، لہٰذا انہوں نے ان کا مرثیہ لکھا تو اس کے سننے سے اس قدر اثر ہوا ایک شخص نے قاتل کے لڑکوں کو قتل کر دیا۔

بنو امیہ اور بنو عباس کے زمانے میں شاعرات کی ایک وسیع کھیپ نظر آتی ہے۔ اس زمانے میں خواتین ادب، فقہ، حدیث، صرف و نحو، ریاضی، طب اور موسیقی وغیرہ میں بہت مشہور ہوئیں۔ ہارون الرشید اور مامون الرشید کی کنیزیں تک نہایت اعلیٰ درجے کی شاعری کرتی تھیں۔ کتاب الاغانی میں اس عہد کی شاعرات کے شعری ذوق اور ادبی کمالات کی کافی جھلکیاں ملتی ہیں۔

نعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے محبت و عقیدت بلکہ والہانہ شیفتگی کی ترجمانی کا نام ہے۔ خاتم النبیین، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور مرد نے خراج عقیدت پیش کیا تو عورت نے بھی اس ذات والا صفات کی بارگاہ میں عقیدت کے پھول نچھاور کئے۔ نعت کی ابتداء عربی میں ہوئی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ ساتھ صحابیات نے بھی گلستان نعت میں اپنے جذبات و عقیدت سے عنبر افشانی کی بلکہ اس سے قبل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارک کے بعد کمسنی میں آپ کو حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے حوالے کیا گیا کہ وہ آپ کو صحراؤں کی کھلی فضاؤں میں پرورش کی غرض سے لے جائیں تو آپ کی والدہ حضرت آمنہ نے فی البدیہہ ان جذبات کا اظہار کیا:

اعیذ باللہ ذی الجلال

من شر ما مر علی الجبال

حتی اراہ حامل الحلال

ویفعل العرف الی الموال

وغیرھم من حشوۃ الرجال

(میں اپنے بچے کو خدائے ذوالجلال کی پناہ میں دیتی ہوں' اس شر سے جو پہاڑوں پر چلتا ہے' یہاں تک کہ میں اسے شتر پر سوار دیکھوں اور دیکھ لوں کہ وہ غلاموں کے ساتھ اور درماندہ لوگوں کے ساتھ سلوک و احسان کرنے والا ہے۔ (رحمتہ للعالمین' سلمان منصورپوری ص ۱۰۸ طبع اول ۱۹۲۱ء)

جگر گوشہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ' ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہن اور حضرت حفصہ بنت عبدالمطلب (عمتہ الرسولؐ) کے نعتیہ اشعار بھی تذکروں میں ملتے ہیں۔ عربی میں نعتیہ کلام کے مولف ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی نے قبیلہ خزاعہ کی ایک مہمان نواز خاتون ام معبد کے نعتیہ اشعار نقل کئے ہیں (۱)۔ ان اشعار میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سراپائے مبارک بیان ہوا ہے' جو ام معبد نے اپنے شوہر کے سامنے فی البدیہہ پیش کیا۔ اس سراپے میں جس قدر بے ساختہ پن اور فصاحت ہے' اس کی نظیر شاید نعت کی تاریخ میں کہیں نہیں ملتی۔ اس طرح المواہب اللدنیہ کے حوالے سے مدینہ منورہ کی ایک معمر خاتون (نام نامعلوم) کے نعتیہ اشعار بھی ملتے ہیں (۲)۔ مزید تحقیق سے دیگر عرب خواتین کے نعتیہ اشعار بھی دستیاب ہو سکتے ہیں۔

فارسی میں نعت کا جو سرمایہ ہمیں ملتا ہے' اس میں شاعرات کی نعتیہ شاعری غالباً نہ ہونے کے برابر ہے۔ میرے علم کی حد تک قدیم فارسی شاعرات میں اگر کسی نے نعت کہی ہے تو وہ شہزادی زیب النساء مخفی (م ۱۱۱۰ھ) دختر عالمگیر ہے۔ اس کے دیوان (۳) (مطبوعہ مطبع مجیدی کانپور) میں ایک دو نعتیں بلکہ اسی اشعار پر مشتمل ایک نعتیہ قصیدہ بھی مل جاتا

ہے' جس کا آغاز اس شعر سے ہوتا ہے :

دل من بلبل عشق است و داغ دل گلستانش

فنا دیوار آں باغ و بقا حد خیابانش

عصر جدید کی شاعرات میں سے زاہدہ خاتون شیروانیہ (م ۱۹۲۲ء)' سپہر آرا خاتون پنہاں اور خورشید آرا بیگم نے فارسی میں نعتیں کہی ہیں۔ زاہدہ خاتون مرحومہ کی فارسی نعتوں کے علاوہ ۴۳ اشعار پر مشتمل ایک نعتیہ قصیدہ فارسی بطرز قاآنی اپنی علمیت' زور بیان اور شکوہ الفاظ کا بے مثل شاہکار ہے۔ یہاں نمونے کے طور پر اس کے پہلے دو شعر درج کئے جاتے ہیں :

بہ چرخ و ارض و بر و بحر غیر ذکر اللہ ھو

ہمہ ملعوں ہمہ مفتوں ہمہ افسوں ہمہ جادو

بیاں عاجز دہاں قاصر زباں الکن بیاں کوتہ

ز وصف رب ز مدح شہ ز حمد ایں ز نعت او

پنہاں فارسی اردو اور انگریزی تعلیم میں کامل استعداد رکھتی تھیں۔ ان کا اردو اور فارسی کلام اپنے دور کے نامور نقادوں اور شعراء سے خراج تحسین حاصل کر چکا ہے۔ ان کی فارسی میں نعتیہ نظم لیلتہ المعراج کا نمونہ دیکھئے :

نہادہ بہ فرق فلک تاج امشب

شدہ بحر انوار امواج امشب

ببیں جلوہ نور معراج امشب

عطا کردہ تابش بہ عقد ثریا

ضیائے منزہ دہد اختراں را

ببیں جلوہ نور معراج امشب

اردو نعت گو شاعرات

عصر اول

اختر، نواب اختر محل

تاریخ ولادت کا کچھ پتہ نہیں چلتا' اور نہ اس شاعرہ کے تفصیلی حالات کسی تذکرے میں دستیاب ہوتے ہیں۔ تذکرہ بہارستان ناز' تذکرۃ النساء نادری اور تذکرۃ الخواتین کے مصنفین نے اس نیک سیرت شاعرہ کا تعلق خاندان تیموریہ سے ظاہر کیا ہے۔ تذکرہ شاعرات اردو کے مولف جمیل احمد بریلوی نے متذکرہ تذکروں سے استفادہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ۱۲۹۳ھ (۱۸۷۶ء) تک بقید حیات تھیں۔ نہایت ذہین' طباع اور نیک مزاج تھیں۔ سید طفیل احمد امروہوی کی مرتبہ کتاب "آفتاب حرم" میں ایک مضمون "زبان اردو پر صنف نازک کا احسان" میں' جو محترمہ فاطمہ بیگم صاحبہ کا تحریر کردہ ہے' لکھا ہے کہ ۱۲۸۰ھ کے پس و پیش آپ کی شاعری کا چرچا تھا۔

اختر کے کلام میں قدسی کی نعت پر ایک تضمین ملتی ہے' جو مذکورہ بالا تذکرہ نگاروں نے نقل کی ہے۔ اس کے علاوہ چند شعر مولانا عبدالباری آسی نے تذکرۃ الخواتین میں نقل کئے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ "ایک زمانہ میں ایک ماہوار رسالہ حدیث قدسی نکلا کرتا تھا۔ اس میں اختر کا اکثر کلام ملتا ہے"۔ (تذکرۃ الخواتین۔ ص۔ ۱۲۰' مطبوعہ نو لکشور' لکھنؤ)

بہرحال اس شاعرہ کے حالات و کلام میں مزید کچھ دستیاب نہیں ہوتا۔ نمونہ کلام کے لئے اختر کی نعتیہ تضمین کے تین بند ملاحظہ ہوں :

تجھ پہ قرباں ہوں میں اے ہاشمی و مطلبی
کہ ہے مشہور دو عالم تری عالی نسبی
دیکھ رتبے کو ترے شوکت افلاک دبی

مرحبا سید مکی مدنی العربی
دل وجاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

وہ ترا نور ہے ماہ فلک و مہر کرم
تیرے جلوے سے منور ہوئے دونوں عالم
تاب یوسف کو کہاں ہے کہ ترے دیکھے قدم
من بیدل بہ جمال تو عجب حیرانم
اللہ اللہ چہ جمال است بدیں بوالعجبی

سختی حشر سے گھبرائیں گی جب مخلوقات
اور نہ بن آئے گی اے ابر کرم کوئی بات
انبیاء سب تجھے کہہ دیں گے کہ اے ابر نجات
ما ہمہ تشنہ لبانیم توئی آب حیات
لطف فرما کہ ز حد می گزرد تشنہ لبی

امت الکریم

۱۸۹۳ء میں پیدا ہوئیں۔ مولوی عبدالحق کی صاحبزادی اور امام بخش صہبائی کی نبیرہ زادی تھیں۔ شعر و ادب کا ذوق ورثے میں ملا تھا۔ ان کا شجرہ نسب شاہ ابراہیم ادہم بلخی سے ملتا ہے۔ انہوں نے دینی تعلیم حاصل کرنے کے بعد فارسی اور عربی کی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی اور کچھ عرصے بعد اچھی خاصی استعداد پیدا کرلی۔ سولہ برس کی عمر میں ایک کتاب "سفیر نسواں" لکھی جس کو اس زمانے میں بڑی شہرت حاصل ہوئی۔ انجمن حمایت اسلام کے زنانہ سکول میں مدرسہ کی خدمات انجام دیں۔ الہ آباد کے گرلز مڈل سکول میں اعلی جماعتوں کو پڑھانے کا موقع ملا تو شعر و ادب کے ذوق میں بھی اضافہ ہوا۔ سکول جب ترقی کرکے کالج کا درجہ اختیار کر گیا تو اس کے بعد بے شمار مضامین نظم و نثر آپ کے قلم

سے نکلے۔ عبدالرزاق بسمل نے امت الکریم کی علمی و ادبی اور تدریسی خدمت کا ذکر "تذکرہ جمیل" میں تفصیل سے کیا ہے۔ نظم ونثر اور قصیدہ نگاری پر آپ نے کئی انعامات حاصل کیے۔

تذکرہ جمیل کی اشاعت ۱۹۲۹ء میں ہوئی۔ اس وقت آپ بقید حیات تھیں۔ عبدالرزاق بسمل نے ان کی ایک نعت "فریاد" بحضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نقل کی ہے۔ بحوالہ تذکرہ جمیل ان کی نعت کے تین بند ملاحظہ ہوں :

آج ہے عالم اسلام میں اک حشر بپا
کون ہم بیکسوں پر اب نہیں مجبور کیا
یا نبی! آپ کی امت پہ ہیں سب ظلم روا
کب تلک سہتے رہیں دہر کے یہ جور و جفا
آج اسلام کا جو حال ہے دیکھیں آ کر
نخل سرسبز جو تھا گرنے کو ہے مرجھا کر

ہے ترے مکہ مدینہ پہ نظر دشمن کی
تیرے مسلم ہیں تبہ کس کو خبر ہے ان کی
دین برحق نہ رہے خواہش دشمن ہے یہی
خوف اسلام کو ہے زغہ میں ہے اب ترکی
ہم سے برگشتہ ہیں افلاک، پھری ہے دنیا
چھینے لیتے ہیں عدو جبر سے قسطنطنیہ

ہے ترے صدقے مرے رحمت عالم آقا
اب تو آکر کے لگا زخموں پہ مرہم آقا
بیکسوں اور یتیموں پہ ترحم آقا
ورنہ ہو جائیں گے برباد یونہی ہم آقا

شان اسلام زمانے کو دکھا دے آ کر
اپنی بگڑی کو پھر اک دم میں بنا دے آکر

امت الکریم کی یہ نعتیہ نظم فنی چابکدستی اور پختگی سے عاری ہے۔ مصرعوں میں حشو و زوائد بھی بہت ہے تاہم شاعرہ کے سچے جذبے کی ترجمانی کرتی ہے۔

پروین، بڑی بیگم (ام مشتاق)

بڑی بیگم لقب، ام مشتاق کنیت اور پروین تخلص تھا۔ شاعرات کے کسی تذکرے میں ان کا اصل نام اور حالات وکلام کا پتہ نہ چل سکا۔ ابو سلمان شاہجہان پوری نے اپنی تالیف میں ان کا ذکر کیا ہے۔ ان کے بیان کے مطابق ۱۱ دسمبر ۱۸۶۶ء کو دہلی میں پیدا ہوئیں۔ میر قربان علی مرحوم رئیس آگرہ کی اہلیہ تھیں۔ ان کے والد سید غضنفر علی خان اور دادا مولانا سید نجف علی خان تھے۔ آپ سے کئی کتابیں یادگار ہیں۔ ایک دیوان "سراج الفیض" جے پور سے ان کے صاحبزادے سید مشتاق حسین مشتاقؔ نے ۱۹۱۵ء میں شائع کرا دیا تھا۔ ابو سلمان شاہجہان پوری نے لکھا ہے کہ "سید مشتاق حسین نے دیوان کے شروع میں اپنی والدہ کے حالات و محامد بڑی تفصیل سے لکھے ہیں"۔ اس کے باوجود وہ پروین کے اصل نام سے بے خبر ہیں۔ ممکن ہے کہ دیوان کی تقریظ میں ان کا اصلی نام درج ہی نہ ہو۔

ابو سلمان مزید لکھتے ہیں "موصوفہ عربی و فارسی کے علاوہ فن طب، علم قیافہ اور علم تعبیر رویا میں بھی درک رکھتی تھیں۔ انہوں نے تقریباً ہر صنف سخن میں اپنا کلام یادگار چھوڑا ہے۔ نعتیہ کلام بھی خاصی تعداد میں شامل دیوان ہے"

میری نظر سے ان کا یہ دیوان نہیں گزرا۔ بحوالہ تذکرہ نعت گو شاعرات ان کے نعتیہ کلام کا نمونہ ملاحظہ ہو :

مالک دنیا و دیں ہو یا محمد مصطفیٰ
پیشوائے مرسلیں ہو یا محمد مصطفیٰ

فخر آدم فخر موسیٰ فخر عیسیٰ فخر نوح
فخر ماء و فخر طیں ہو یا محمد مصطفیٰ
مرکز احکام دیں ہو یا محمد مصطفیٰ
مہبط روح الامیں ہو یا محمد مصطفیٰ
آپ کی آل آپ کی اولاد اور ادنیٰ کنیز
مفت کیوں پرویں حزیں ہو یا محمد مصطفیٰ

نام پر حضرت کے کہتا ہے خدا صلی علی
مرحبا صلی علی اے مرحبا صلی علی
آسماں سے بھیجتے ہیں جب ملائک تک درود
ورد رکھ تو بھی دلا صلی علی صلی علی
ایک دم میرا ہے پرویں اور لاکھوں مشغلے
پڑھ نہیں سکتی میں حسب مدعا صلی علی

خفی، بدرالنساء بیگم

سلطنت آصفیہ (دکن) کے سررشتہ عدالت میں منصفی کی خدمت پر مامور محمد ابوالفیض سعید الدین مرحوم جو اپنے وقت کے متبحر عالم تھے، ان کی صاحبزادی تھیں۔ نام بدر النساء اور خفی تخلص تھا۔ ۱۲۸۰ ہجری میں پیدا ہوئیں۔ تعلیم و تربیت گھر پر ہوئی۔ والدین سے عربی فارسی اور اردو کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی اور انگریزی میں بھی اچھی خاصی مہارت پیدا کی۔ ایک عرصے تک اپنے والد کے ہمراہ نارائن پٹنہ میں رہیں، جہاں اکثر صاحبان علم و فضل شعر و سخن کے دلدادہ جمع ہو گئے تھے۔ تلمذ ڈاکٹر احمد حسین مائل سے رہا۔ مائل حیدر آباد (دکن) کے قابل ترین شعراء میں شمار ہوتے تھے۔

خفی نے چودہ سال کی عمر میں شاعری کا آغاز کیا۔ اپنے شوق اور مطالعے کے باعث بہت جلد ان کو شاعری میں اچھا خاصا ملکہ حاصل ہو گیا۔ ان کا دیوان ۱۳۱۲ ہجری میں شائع ہوا۔ ۱۳۳۰ ہجری میں انتقال کیا۔

خواتین دکن کی اردو خدمات میں نصیر الدین ہاشمی لکھتے ہیں کہ انہوں نے اپنی شاعری کو صرف مدح رسول اور عشق حقیقی تک محدود رکھا تھا۔ ان کا دیوان جو ردیف وار ہے، شروع سے آخر تک نعتیہ ہے۔ "خواتین دکن کی اردو خدمات" سے ان کے نعتیہ کلام کا نمونہ نذر قارئین ہے :

ناز سے آئے گا جس وقت وہ محبوب خدا
دیکھنا حشر میں اک حشر نمایاں ہوگا
خود کرے گا مری بیماری عصیاں کا علاج
رشک عیسیٰ مرا آمادہ درماں ہوگا
کب ملے گی مجھے وہ دولت دیدار تری
کوکب بخت یہ کب مہر سا تاباں ہوگا
دل مضطر کو بہلایا تو ہوتا
کبھی پھر خواب میں آیا تو ہوتا
وہ بھی اک دن تھا کہ روئے پاک آیا تھا نظر
اب الٰہی یہ مقدر میرا کیسا ہو گیا

توبہ کرتی ہوئیں بھاگی ہیں بلائیں ساری
بن گیا جب سے مرے دل کا محمد تعویذ

قریب ہو وقت موت کا جب تو آئے آنکھوں میں دم ہمارا

دکھا دے مجھ کو وہ پاک چہرہ نقاب منہ سے اٹھا اٹھا کر

مدح رسول کی ہے مجھے حرص بالضرور
ہرگز نہیں ہے مجھ کو تو نام و نشاں کی حرص

حجاب منہ سے اٹھا چکے ہیں مجھے وہ صورت دکھا چکے ہیں
مری نظر میں سما چکے ہیں نظر سے پھر دل میں آ چکے ہیں
فنا ہماری بقا کے اندر بقا ہماری فنا کے اندر
بتائیں نام و نشاں کسے ہم کہ اپنی ہستی مٹا چکے ہیں

کاش تدبیر سے تقدیر برابر ہوتی
خانہ دل میں ہم اس شاہ کو مہماں کرتے
راز کی باتیں جو ارشاد وہ کرتے ہم کو
گنج مخفی ہی سمجھ کر انہیں پنہاں کرتے
اے خفی حضرت یوسف اگر اس دم ہوتے
حسن احمد کو دکھا کر انہیں حیراں کرتے

روشن، حضرت بی بی پھلواری

صوبہ بہار کے پھلواری خاندان کی یہ شاعرہ مولانا شاہ احمد عبدالحی ابن تاج العارفین مخدوم شاہ مجیب اللہ قدس سرہ کی صاحبزاری تھیں۔ شعر و سخن سے فطری وابستگی تھی۔ زیادہ تر نعت لکھتی تھیں۔ ڈاکٹر طلحہ برق رضوی نے "اردو کی نعتیہ شاعری" میں ان کا نمونہ کلام دیا ہے۔ ملاحظہ ہو :

کیا کہوں فرقت میں کیسا حال اپنا ہوئے ہے
روز ان اشکوں کا جاری ایک دریا ہوئے ہے
ہچ جو سر کے ترے گیسو کا سودا ہوئے ہے

گھرتی باہر نکل صحرا بہ صحرا ہوئے ہے

صوبہ بہار کے اکثر محترم خانوادوں میں خواتین نے بھی شاعری کی ہے، جن کا ذکر ڈاکٹر طلحہ برق رضوی نے اپنی کتاب "اردو کی نعتیہ شاعری" میں کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ "پھلواری شریف کے خاندان مجیبی میں اکثر شاعرات ایسی گزری ہیں، جن کی خاموش شاعری آج بھی تحسین و ستائش کی مستحق ہے"۔ (ملاحظہ ہو اردو میں نعتیہ شاعری، ڈاکٹر طلحہ برق رضوی، ص ۹۰، ۱۹۷۴ء)

پھلواری شریف کی چند اور شاعرات کا ذکر اگلے صفحات میں آئے گا۔

شرم، شمس النساء بیگم

شمس النساء بیگم نام اور شرم تخلص تھا۔ تذکرہ نعت گو شاعرات کے مولف ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہان پوری نے ان کے ایک دیوان "عروس مضمون" (مطبوعہ ۱۸۹۰ء) کا ذکر کیا ہے البتہ ان کے حالات سے لاعلمی کا اظہار کیا ہے۔ تذکرہ بہارستان ناز اور تذکرۃ الخواتین کے مولفین نے لکھا ہے کہ شمس النساء بیگم، حکیم قمرالدین، جو خواجہ وزیر لکھنوی کے شاگرد تھے، کی صاحبزادی تھیں۔ بنارس میں پیدا ہوئیں، بعد میں لکھنؤ سکونت اختیار کر لی۔ شاعری کا نہایت اعلی ذوق رکھتی تھیں مگر کبھی کسی مشاعرے میں شریک نہیں ہوئیں۔ صاحب تذکرہ بہارستان ناز (طباعت اول ۱۸۶۴ء) کے زمانے میں زندہ تھیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ "مولد ان کا بنارس ہے۔ مسکن لکھنؤ ہے۔ صاحب عصمت و حیا، نہایت عقیل، ذہین و ذکاء ہے۔ عروض و قوافی میں استعداد معقول ہے۔ فن شاعری جیسا چاہئے حصول ہے"۔ (تذکرہ بہارستان ناز، حکیم فصیح الدین رنج، ۱۹۶۵ء، مجلس ترقی ادب، لاہور، ص ۱۵۵)

ڈاکٹر ابو سلمان لکھتے ہیں کہ شرم کے دیوان عروس مضمون کے دیباچے میں قمرالنساء حجاب نے ان کی نعت گوئی کا بھی ذکر کیا ہے۔ تذکرہ نعت گو شاعرات کے حوالے سے ان

کے تین نعتیہ اشعار درج کئے جاتے ہیں :

یہ آرزو ہے مجھے آئمہ سپہر عرب
کروں مدینے میں جا کر طواف تربت کا
ہے تجھ سے عشق، محبت ترے وصی سے ہے
یہی وسیلہ ہے روز جزا شفاعت کا
کبھی نہ حرف محبت میں آئے گا اے شرم
کھدا ہے دل کے نگینے پہ نام حضرت کا

اس نعت کا ایک اور شعر آفتاب حرم مولفہ بدر امروہوی صفحہ ۴۱۲ پر درج ہے :

تو اپنی بندہ نوازی سے بخش دے گا ہمیں
وگرنہ ہم نے کیا کون کام جنت کا

شفیقا بدایونی

اس شاعرہ کا ذکر شاعرات کے کسی تذکرہ میں موجود نہیں البتہ ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہان پوری نے تذکرہ نعت گو شاعرات میں تذکرہ شعرائے بدایوں (خطی) مرتبہ ایوب قادری کے حوالے سے لکھا ہے کہ "بدایوں کی رہنے والی تھیں۔ ان کے والد کا نام معلوم نہیں ہو سکا۔ بھائی کا نام کریم اللہ تھا۔ ۱۲ ربیع الاول کو ان کے یہاں میلاد شریف بڑے اہتمام سے ہوتا تھا۔ یہ بھی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے ایک میلاد شریف "مولود کی خوشی یعنی زنانہ مولود" کے نام سے لکھا تھا۔ اس میلاد میں ان کا منظوم کلام بھی شامل ہے۔ یہ میلاد ۱۳۰۶ھ میں امیر الاقبال پریس بدایوں سے شائع ہو چکا ہے"۔

ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہان پوری نے ان کے نعتیہ کلام کا جو نمونہ دیا ہے، وہ یہاں نقل کیا جاتا ہے :

عمر اپنی جو مدینے میں بسر ہو جاتی
صاف تو یہ ہے کہ جنت میں گزر ہو جاتی
پھر بلاتے مجھے روضے پہ رسول اکرم
میری بیتابی دل کی جو خبر ہو جاتی
ایک مدت سے ہوں مشتاق جمال انوار
حال پر میرے عنایت کی نظر ہو جاتی
ان کے روضے کے قریں جا کے شفیقا رہتی
چین سے عمر دو روزہ یہ بسر ہو جاتی

پڑھوں میں نام لے لے کر تمہارا یا رسول اللہ
تمہارا نام ہے دل کو پیارا یا رسول اللہ
اندھیری گور میں احباب مجھ کو چھوڑ آئیں جب
مدد کرنا وہاں پر تم خدارا یا رسول اللہ
جو پوچھیں گے اگر مجھ سے نکیرین آن کر کچھ بھی
سنا دوں گی انہیں کلمہ تمہارا یا رسول اللہ
بلا لو پھر شفیقا کو اگر حضرت مدینے میں
کرم ہو آپ کا اس پر دوبارہ یا رسول اللہ

شیریں، نواب شاہجہان بیگم

اردو کی مشہور شاعرہ تھیں۔ ۶ جمادی الاول ۱۲۵۲ھ مطابق ۳۰ جولائی ۱۸۳۸ء کو قلعہ اسلام نگر میں پیدا ہوئیں۔ نواب سکندر بیگم والی ریاست بھوپال ان کی والدہ تھیں۔ ان کے دامان تربیت میں انہوں نے امور خانہ سے لے کر شعر و ادب، علوم مذہبی و دینی اور

اصول و قوانین ریاست کی تعلیم حاصل کی اور اعلی ذوق کی بدولت علمی و ادبی مرتبہ حاصل کیا۔ اس کے علاوہ فن شاہسواری اور نشانہ بازی میں بھی دستگاہ تھی۔

نواب شاہجہان بیگم ان کا نام اور شیریں تخلص تھا۔ والیہ ریاست بھوپال تھیں لہٰذا تمام تر آسانیاں اور وسائل کی بدولت انہوں نے لڑکیوں کی ادنی و اعلی تعلیم کے مدارس قائم کئے، جس کی وجہ سے اس زمانے کی عورتوں میں اعلی تعلیمی ذوق پیدا ہوا۔ علاوہ ازیں اشاعت ادب اور تعلیمی ترقی کی غرض سے پریس لگایا اور ایک مطبع موسوم بہ شاہجہانی تعلیمی کتابوں کے لئے مخصوص کر دیا، جس میں سرکاری گزٹ اور انگریزی اخبارات سے خبروں کے علاوہ ریاست بھوپال کے حالات اور علمی و ادبی مضامین شائع ہوتے تھے۔

تذکرہ بیگمات بھوپال (م ۔ ۱۹۳۲ء) میں و۔ ا صاحبہ نے ان کے حالات اور تعلیمی و تصنیفی کارناموں کا ذکر تفصیل سے کیا ہے۔ عبدالباری آسی نے تذکرۃ الخواتین اور حکیم فصیح الدین رنج نے بہارستان ناز میں ان کے مختصر حالات اور کلام کا نمونہ دیا ہے۔

ان کے تصنیفی کارناموں میں تاریخ و تحقیق کے لحاظ سے "تاج الاقبال" اور "تہذیب النسواں و تربیت الانسان" ان کی نہایت بلند ترین اور معروف کتابیں ہیں۔ "خزینۃ اللغت" بھی ان کی تصنیف ہے جس میں چھ زبانوں یعنی اردو، فارسی، عربی، سنسکرت، انگریزی، اور ترکی کے تقریباً ساڑھے پانچ ہزار لغات متعرفہ درج ہیں۔ ایک تحقیقی و تاریخی مثنوی صدق البیان بھی انہوں نے تصنیف کی تھی۔ ان کا دیوان ۱۲۸۸ھ میں مطبع نظامی کانپور سے دیوان شیریں کے نام سے طبع ہوا تھا۔ و۔ا صاحبہ کا خیال ہے کہ "اس میں ان کا اپنا کلام بہت تھوڑا ہے، باقی فضول گو لوگوں نے لکھ کر ان کی طرف منسوب کر دیا ہے"۔

دیوان شیریں کی طباعت کے بعد نواب شاہجہان بیگم نے اپنی تخلص بدل کر تاجور کر لیا تھا۔ ان کا دیوان مجھے نہیں مل سکا۔ یہ دو شعر تذکرہ نعت گو شاعرات کے حوالے سے

درج کئے جاتے ہیں :

ان کی الفت میں مرا رہتا ہے ہر دم دل کھپا
وہ جو ہیں شمشاد و سرو بوستان مصطفیٰ
نیک کر آغاز سے انجام میرا اے کریم
بہر عز و شان و قدر حق و آن مصطفیٰ

ضرورت، شرف النساء بیگم

ضرورت تخلص اور شرف النساء نام تھا۔ تیموری خاندان کے ایک شہزادہ وجیہ الدین المعروف مرزا کوچک دہلوی کی اہلیہ تھیں۔ تذکرۃ الخواتین اور تذکرہ بہارستان ناز میں ان کا ذکر موجود ہے۔ صاحب تذکرہ نعت گو شاعرات نے گلستان تیموری کے حوالے سے لکھا ہے کہ "قلعہ معلی میں انتہائی عقیدت و محبت کی نظر سے دیکھی جاتی تھیں۔ بہت کم عمری میں بیوہ ہو گئی تھیں۔ بیوگی کے بعد پوری زندگی یاد الٰہی میں بسر کر دی۔ مرزا حسین بخش المتخلص مرزا آپ ہی کے نور عین تھے"۔ تذکرہ بہارستان ناز میں تحریر ہے کہ "یہ صاحب عفت و حیا نہایت نیک بخت، پاکیزہ سرشت تھی۔ اکثر اشعار نعت و منقبت میں کہا کرتی تھی"۔ بہارستان ناز میں ان کی ایک نعت درج ہے۔ ملاحظہ ہو :

سر سبز رہے باغ سدا دین نبی کا
مکی مدنی ہاشمی و مطلبی کا
مشکل کو توجہ سے نبی کیجئے آسان
ہے واسطہ اصغر کی تمہیں تشنہ لبی کا
مدحت میں کروں فکر دماغ اتنا کہاں ہے
خامے سے لکھا جائے ہے کب وصف نبی کا
مشکل ہو جو آسان دعا مانگ ضرورت

کر عرض کہ یہ وقت ہے حاجت طلبی کا

فرخ لاہوری

بی بی سلطان نام اور فرخ تخلص تھا۔ شیر علی قزلباش (م ۱۸۹۲ء) کی صاحبزادی تھیں۔ قزلباش مرحوم محکمہ مال میں ملازم تھے۔ فرخ کے حالات کا علم نہیں ہو سکا۔ ایک نعتیہ دیوان "گلشن فرخ" ان سے یادگار ہے جس سے ۱۳۱۱ھ تاریخ برآمد ہوتی ہے۔ نمونہ نعت ملاحظہ ہو :

ہیں ترے در کے گدا افضل شہان دہر سے
خادمان احمدی کو بس یہی اعزاز ہے
جو لکھے ہیں نعت سرور ان کے ہے فرخ سیر
تر زباں ہیں وصف میں کروبیاں شام و سحر

ان کی اس نعت کے تیور دیکھئے :

یا رسول عربی شاہسوار مدنی
دولت حسن سے حق نے ہے کیا تجھ کو غنی
لبِ دنداں کو ترے دیکھ کے شرمندہ ہوئے
لعل و الماس و گہر اور عقیق یمنی
گل نے صد چاک کیا اپنی نزاکت کا لباس
دیکھ لی جب مرے محبوب کی نازک بدنی
اے مرے رشک مسیحا تری بیمار ہوں میں
بڑھ گئی حد سے مری بے کسی و خستہ تنی
کھل گئے غنچوں کے منہ صل علی کہنے کو
دیکھ لی جب کہ محمدؐ کی شگفتہ دہنی

کو بکو پھرتی ہوں جوگن کی طرح میں فرخ
کان میں حلقہ کنیزی کا، گلے میں کفنی

کنیز، منجھو خانم

کنیز تخلص، منجھو خانم نام تھا۔ صاحب تذکرہ بہارستان ناز کے زمانے میں بقید حیات تھیں۔ ان کے بیان کے مطابق "طبیب الدولہ لکھنؤی کی دختر تھیں۔ بارہ برس کی عمر میں شعر گوئی کا شوق ہوا"۔ مزید حالات کا علم نہیں ہو سکا۔ بہارستان ناز میں ایک نعتیہ رباعی درج ہے، جس سے ان کی نعت گوئی سے دلچسپی کا اظہار ہوتا ہے :

ہے دست اللہ نام تیرا یا شاہ
بس غیر کے ہاتھ پر نہ رکھ میری نگاہ
تیری ہو کنیز، غیر کی دست نگر
لاحول ولا قوۃ الا باللہ

کنیز، فاطمہ کنیز

کنیز تخلص اور فاطمہ کنیز نام تھا۔ عبدالباری آسی نے تذکرۃ الخواتین میں تحریر کیا ہے کہ "سریر کابری جو زمانہ حال کی ایک نکتہ رس و نکتہ سنج خاتون ہیں، ان کو اصلاح دیتی ہیں اور تعلیم و تعلم میں وہی ان کی استاد ہیں۔ ۱۹۱۰ء میں پتھرا ڈالی گنج میں رہتی تھیں، اب بھی شاید وہیں ہوں"۔

تذکرۃ الخواتین ۱۹۲۷ء میں شائع ہوا تھا، جس سے واضح ہوتا ہے کہ ۱۹۲۷ء میں وہ زندہ تھیں۔ بعد کے حالات کا کسی تذکرے سے علم نہیں ہوتا۔ ان کی ایک نعت سے ان کی نعت گوئی سے دلچسپی کا اظہار ہوتا ہے۔ مذکورہ تذکرے کے حوالے سے ان کی نعت کے چند شعر ملاحظہ ہوں :

رضواں تری جنت مجھے درکار نہیں ہے
طیبہ کا ترے باغ میں اک خار نہیں ہے
کس دل میں تری حسرت دیدار نہیں ہے
خواہاں ترا کون اے شہ ابرار نہیں ہے
یا شاہ ٹھکانا ہے مرا آپ کے ہاتھوں
بیکس ہوں کوئی میرا مددگار نہیں ہے
روشن ہیں چراغوں کی طرح داغ محبت
تربت میں اندھیرا مری زنہار نہیں ہے
اس دل کو کنیز اہل وفا کہتے ہیں پتھر
جس دل میں ولائے شہ ابرار نہیں ہے

کیفی

کیفی تخلص تھا۔ اصل نام معلوم نہیں ہو سکا۔ یہ تیموری خاندان کی ایک شہزادی تھی، جس نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں وفات پائی۔ شاعرات کے کسی ایک تذکرے میں بھی ان کے حالات درج نہیں۔ تذکرۃ النساء، بہارستان ناز اور تذکرۃ الخواتین میں قدسی کی نعت پر کی گئی اس کی ایک تضمین ملتی ہے۔ ثانی الذکر تذکرے میں اس تضمین کے دس بند نقل ہوئے ہیں۔ دیگر تذکروں میں نمونے کے طور پر دو یا تین بندوں پر اکتفا کیا گیا ہے۔

قدسی کی نعت پر کی گئی تضمین سے کیفی کی پختگی مشق، قوت کلام اور شدت جذبات کا اظہار ہوتا ہے۔ چونکہ یہ تضمین بہارستان ناز کے سوا کسی بھی تذکرے میں مکمل نہیں ملتی اس لئے یہاں پوری تضمین کو نقل کیا جاتا ہے :

کس کا منہ ہے جو کرے مدح تری میرے نبی
نعت اطہر میں ہے جب عقل ذکی محض غبی

حبذا ذات تری مایہ حاجت طلبی
مرحبا سید مکی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

نور تھا تیرا وہاں نور حقیقت سے بہم
دیکھ کر موسیٰ عمراں ہوئے غش شاہ امم
اور مہر رخ تاباں پہ ہے کیا ہی عالم
من بیدل بجمال تو عجب حیرانم
اللہ اللہ چہ جمالست بدیں بوالعجبی

مہبط روح قدس آپ کی ذات والا
عرش اعظم در دولت پہ کہے صل علیٰ
عظمت رتبہ والا ہو ادا کس سے شہا
نسبت نیست بذات تو بنی آدم را
برتر از آدم و عالم تو چہ عالی نسبی

نور سے تیرے منور ہے زمیں، دشت بدشت
تو ہی باقی ہے بنائے فلک زریں طشت
نہ فلک ہفت جہاں کی نہ خوش آئی گل گشت
شب معراج عروج تو ز افلاک گزشت
بہ مقامے کہ رسیدی نہ رسد ہیچ نبی

حق تعالیٰ نے کیا آپ کو ابر اکرام
تجھ سے خنداں ہے لب غنچہ امید انام
ہیں شجر اور حجر غرق سحاب انعام
نخل بستان مدینہ تو سرسبز مدام

زاں شدہ شہرہ آفاق بہ شیریں رطبی

ذات انور سے بنا سارا جہاں عالم نور
اور فروغ اس کے سے ہر خانہ ہے بیت المعمور
رب عزت کو جب اعزاز عرب تھا منظور
ذات پاک تو دریں خاک عرب کردہ ظہور
زاں سبب آمدہ قرآں بزبان عربی

رتبہ وہ تیرے سگ کو کا ہے اے شاہ امم
سر بپا اس کے رہا شیر فلک بھی ہر دم
رشک افزائے ملائک ہے سوائے آدم
نسبت خود بسگت کردم و بس منفعلم
زاں کہ نسبت نہ سگ کوئے تو شد بے ادبی

فرقت روئے مقدس میں نہیں تاب حیات
زہر پی جاؤں پلائیں جو مئے ناب حیات
تشنہ وصلتِ اقدس نہیں سیراب حیات
ماہمہ تشنہ لبانیم و توئی آب حیات
لطف فرما کہ زحد می گزرد تشنہ لبی

چشم ہے آپ سے اے شاہ سرافراز نظر
نظر لطف سے عصات یہ ہو باز نظر
تا کریں خلد بریں پر بھی وہ باناز نظر
چشم رحمت بکشا سوئے من انداز نظر
اے قریشی لقبی ہاشمی و مطلبی

درد عصیاں سے ہے بے تاب نہایت کیفی

حکمت لطف سے اس درد کے ہو تم شافی
عازم درگہ یہ کیفی ہے مثال قدسی
سیدی انت حبیبی و طبیبی قلبی!
آمدہ سوئے تو قدسی پئے درماں طلبی

مجوب، زینت بی بی

نام زینت بی بی، تخلص مجوب ہے۔ ان کے حالات بھی کہیں سے دستیاب نہیں ہوئے۔ ابو سلمان شاہجہان پوری کے مطابق ان کا مجموعہ کلام "گلبن نعت" کے نام سے ۱۳۲۸ ہجری میں مطبع احمدی لکھنؤ سے شائع ہوا تھا۔ بڑے سائز کے ۳۲ صفحات اور ۸۱ نعتیں ہیں۔ میرے پاس اس کا جو نسخہ ہے، وہ مطبع جان جہاں دہلی سے ۱۳۱۱ ہجری کا مطبوعہ ہے۔ اس کے صفحات بھی ۳۲ ہیں۔ آخر میں مفتی غلام سرور لاہوری کے قطعہ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ پہلی بار یہ مجموعہ ۱۲۹۷ ہجری میں طبع ہوا تھا۔ مجموعے کا آغاز شاعرہ نے مناجات سے کیا ہے۔ ابتداء اس شعر سے ہوتی ہے:

ہوا و حرص نے مجھ کو کیا ہے خوار یا اللہ
ہوئی ہوں نفس سرکش سے بہت لاچار یا اللہ

نمونہ نعت ملاحظہ ہو

ظلمت عصیاں کا کیا غم اس کو جس کے سامنے
جلوہ گر شام و سحر وہ روئے پرانوار ہے
دولت مہر محمد سے ہوئی ہے سرفراز
عاجزہ مجوب کو کیا سیم و زر درکار ہے

کر دیا ہے مجھ کو تیرے درد نے افسردہ حال

جاں بلب ہوں اب نہیں طاقت مجھے گفتار کی
ورنہ ایسی نعت میں لکھتی کہ ہوتی جابجا
ہند اور پنجاب میں شہرت مرے اشعار کی

یا رسول عربی شاہسوار مدنی
دیکھ لے آ کے مری خستگی و دلشکنی
کرتی ہوں ہجر میں بلبل کی طرح شور و فغاں
یاد آتی ہے مجھے جب کہ تری گلبدنی
دیکھ کر جوہر و لعل لب دندان نبی
ہیں خجل گوہر و یاقوت و عقیق یمنی

بخت میرا ان دنوں کیا رشک خاور ہو گیا
خلوت دل منزل مہر پیمبر ہو گیا
اس قدر پکڑا ہے میری اشک ریزی نے عروج
دامن صبر ملک افلاک پر تر ہو گیا
یہ تمنا ہے مروں در پر ترے، عالم کہے
اس کا رتبہ بھی شہیدی کے برابر ہو گیا
مرحبا محبوب تیری عنبریں گفتار سے
اہل معنی کا دماغ جاں معطر ہو گیا
دل جلی ہوں مر چلی ہوں جاں بلب ہوں کیا کروں
ایک دن آ کر تو میری بے قراری دیکھئے
اس قدر روتی ہوں تیرے غم سے اے خیرالبشر

دل کے ٹکڑے ہیں مری آنکھوں سے جاری دیکھئے

شاعرہ کا مجموعی کلام سوز و درد کی کیفیت سے سرشار ہے اور بیشتر نعتیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور والہانہ عشق کی آئینہ داری کرتی ہیں۔ تاہم عجیب پہلو یہ ہے کہ بعض اشعار میں والہانہ پن سے، خصوصاً تلمیحات و الفاظ کے انتخاب کے حوالے سے، قاری کے لئے اردو اور فارسی غزل کے روایتی محبوب کا التباس پیدا ہوتا ہے کہ ہجر و فراق کی کیفیتوں کے اظہار میں شاعرہ نے بعض ایسے الفاظ کا انتخاب کیا ہے، جو اردو اور فارسی شاعری میں محض روایتی محبوب کے لئے مستعمل رہے ہیں۔ سرور کائنات ؐ کی مداحی اور محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان میں جنس لطیف کی طرف سے ان الفاظ و تلمیحات کا استعمال نہ صرف مفہوم میں مذموم پہلو پیدا کرتا ہے بلکہ رحمتہ للعالمین کی شان اطہر میں بے احتیاطی کا بھی مظہر ہے۔ نمونے کے لئے چند اشعار درج ہیں :

دین و دنیا کا شہنشہ احمد مختار ہے
ہوں تصدق نام پر ان کی وہ میرا یار ہے
اے مرے یوسف زلیخا کی طرح بیتاب ہوں
دل سے ہوں مشتاق تیرے روئے پرانوار کی
جلد آ پیارے مرے دلبر مرے جانی مرے
اب تو میں دنیا میں ہوں مہمان دن دو چار کی
ہوتے کب یوسف صدیق زلیخا کو عزیز
دیکھتی آ کے جو اک دن تری نازک بدنی

تاہم شاعرہ کے اکثر اشعار صدق محبت اور عقیدت تام سے مزین ہیں۔ اظہار کی بے ساختگی اور جذبے کی سچائی ہی اس کے کلام کا اصل جوہر ہے۔

منیر النساء حضرت بی بی پھلواری

حضرت بی بی منیر النساء شاہ عنایت حسین پھلواری کی صاحبزادی تھیں۔ اس خاندان کی ایک نعت گو شاعرہ روشن بی بی کا ذکر پچھلے صفحات میں کیا جا چکا ہے۔ منیر النساء کو عربی اور فارسی پر مکمل دسترس تھی اور اردو میں آپ کے نعتیہ اشعار قدرت شعری کی دلیل ہیں :

کرتی ہوں رات دن میں زیارت رسول کی
پھرتی ہے اپنی آنکھوں میں صورت رسول کی
نہ رکھیو ہجر میں بیمار مجھ کو
پلا دو شربت دیدار مجھ کو
رہوں کب تک جدائی میں تڑپتی
بلا لو جلد اے سرکار مجھ کو

(بحوالہ اردو کی نعتیہ شاعری۔ طلحہ برق رضوی، ص)

پھلواری شریف کے مجیبی خاندان کی ایک اور شاعرہ حضرت بی بی ولیہ (م ۔ ۱۱۳۹ ہجری) حضرت شاہ آیت اللہ جوہری کی والدہ اور حضرت شاہ عزیزالدین مجیبی کی صاحبزادی تھیں۔ اردو میں دوہوں کے وزن پر ان کے نعتیہ اشعار حسب ذیل ہیں :

کون سی تدبیر بناویں
اون اپنے کوں ہمکو بلاویں
حضرت کی ڈیوڑھی جو پاویں
سیر جھکا کے آنکھ لگاویں

(بحوالہ اردو کی نعتیہ شاعری ڈاکٹر طلحہ برق رضوی ص ۹۱)

اردو نعت گو شاعرات

عصر جدید

عصر جدید

اس عصر کی شاعرات اپنی دینی اور مذہبی تعلیم کے ساتھ ساتھ جدید تعلیم سے بھی روشناس ہیں۔ سرسید کی تحریک علیگڑھ نے جس طرح مردوں میں انگریزی تعلیم کا رجحان پیدا کیا، باوجود وسیع مخالفت کے عورتوں میں بھی حصول تعلیم جدید کا شوق پیدا ہوا۔ دلچسپ پہلو یہ ہے کہ خود سرسید، جنہوں نے ہندوستان میں مسلمانوں کی جدید تعلیم کی بنیاد رکھی، عورتوں کی جدید تعلیم کے سخت مخالف تھے، لہٰذا انہوں نے مولوی ممتاز علی مرحوم کے نام ایک خط میں اپنے موقف کی وضاحت بھی کی تھی۔ دیکھئے ہفت روزہ "تہذیب نسواں" شمارہ ص)۔ اس شدید مخالفت کے باوجود عورتوں میں تعلیم جدید کے حصول کا جذبہ بڑھتا گیا۔ یہ دور اردو شاعری کی ترویج و ترقی کے ساتھ ساتھ قومی، ملی اور مذہبی نظریات کے فروغ کا باعث ہوا۔ ہندوستان کی سیاسی فضا میں آزادی ملت اور غیر اقوام سے نجات حاصل کرنے کا شعور پیدا کرنے کے لئے جہاں سیاسی رہنماؤں نے کام کیا، وہاں شعرائے اردو نے بھی اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اگرچہ انگریز کا تسلط اور ہندو عصبیت کا غلبہ پورے ہندوستان پر تھا لیکن مسلمانوں کے اندر خودی اور عزم و عمل کا جوہر پیدا کرنے کے لئے حالی و شبلی، اقبال، حسرت موہانی اور ظفر علی خان جیسے عظیم شعراء نے بے دریغ اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ ان اساطین ملت کی جوش و ولولہ سے بھرپور تخلیقات کا پورا اثر اس دور کی اردو شاعری نے قبول کیا۔ ناممکن تھا کہ خواتین پر قومی، ملی اور جدید افکار و خیالات اثر انداز نہ ہوتے۔ عورتوں میں باقاعدہ تعلیم کا رواج پیدا ہوا اور مردوں کے دوش بدوش آزادی اظہار کا ولولہ انگڑائیاں لینے لگا۔

اشاعت و ترویج ادب کے سلسلے میں عورتوں نے خاصا کام کیا۔ خواتین کے لئے ادبی رسائل کا اجراء ہوا، جن کو زیادہ تر خواتین ہی ایڈٹ کرتی تھیں۔ عورتوں کے اندر تعلیمی

اور ادبی شعور پیدا کرنے کا اولین بیڑا "تہذیب نسواں" نے اٹھایا، جو امتیاز علی تاج مرحوم کی والدہ محمدی بیگم نے ۱۸۹۸ء میں لاہور سے جاری کیا۔ اس کے بعد خواتین کے کئی ایک پرچوں کا اجراء ہوا، جس میں "شریف بی بی" نے، جو منشی محبوب عالم (ایڈیٹر "پیسہ اخبار") نے جاری کیا تھا، عورتوں کی تعلیم و ترقی میں نمایاں کردار ادا کیا۔ عورتوں کے لئے الگ انجمنیں قائم ہوئیں۔ کئی زنانہ مدارس قائم کئے گئے۔ زنانہ کانفرنسیں منعقد ہوئیں۔ الغرض عورتوں میں تعلیمی شعور پیدا ہونے سے شعروادب میں بھی نمایاں ترقی ہوئی۔ اردو شعراء کے ساتھ ساتھ خواتین نے بھی شعروادب میں اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ مردوں کی طرح عورتوں نے بھی فکری، سماجی، تہذیبی، سیاسی اور اخلاقی و مذہبی اصلاح کا کام شروع کر دیا۔ برصغیر میں بدلتے ہوئے نظریات و افکار کے مطابق اردو ادب کی نئی شمعیں روشن ہوئیں۔ شعروادب نے اپنا رشتہ سماج سے جوڑ کر براہ راست پوری زندگی کو متاثر کیا۔ مقصدیت اور اصلاح پسندی کی اس تحریک نے نئے آفاق دریافت کئے۔ عورتوں کی ادبی خدمات کا اعتراف ہونے لگا۔ خواتین کی ادبی و علمی صلاحیتوں کا ذکر کیا جانے لگا۔ مولانا عبدالحلیم شرر، منشی محمد دین فوق، نصیر الدین ہاشمی اور کئی ایک قد آور شخصیتوں نے عورتوں پر کئی مضامین تحریر کئے۔

بایں ہمہ حیرت ہوتی ہے کہ خواتین کی صلاحیتوں کا وہ اعتراف، جس کی وہ مستحق تھیں، نہیں کیا گیا۔ خصوصاً شاعرات پر بہت کم لکھا گیا، حالانکہ یہ دور شاعرات اردو کی ترقی کا وسیع تر دور ہے اور اس دور میں ہندوستان میں بعض نہایت بلند پایہ شاعرات پیدا ہوئیں۔ قدیم دور کی طرح اس دور میں بھی شاعرات پر باقاعدہ کام کرنے میں تساہل اور ہٹ دھرمی سے کام لیا گیا، جس کی وجہ سے بہت سی شاعرات آج بھی گوشہ گمنامی میں پڑی ہیں۔ سوائے ایک دو تذکروں کے، کہیں بھی ان کا ذکر نہیں ملتا اور یہ تذکرے بھی اب نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہو چکے ہیں۔

اختر، سردار بیگم اختر حیدر آبادی

۹ مارچ ۱۹۱۸ء کو حیدر آباد دکن میں پیدا ہوئیں۔ ان کے والد کا نام سید امیر حسن تھا۔ جد امجد سید کرم حسن خان قمر لکھنوی مرزا داغ کے تلامذہ میں سے تھے۔ سیدہ اختر کا آبائی وطن لکھنؤ تھا۔ اودھ کے آخری تاجدار سید واجد علی شاہ کی حکومت کو زوال آیا تو سیدہ کے آباؤ اجداد ترک وطن کر کے حیدر آباد آ کر آباد ہوئے۔ اس زمانے کے رواج کے مطابق سیدہ کی ابتدائی تعلیم گھر ہی پر ہوئی۔ فارسی اور اردو کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے اسکول میں داخلہ لیا اور بہت جلد فارغ التحصیل ہو گئیں۔ ۱۹۳۲ء میں خان عبدالغنی خان (اس زمانے کے گورنمنٹ کنٹریکٹر رئیس نصیر آباد راجپوتانہ تھے) سے شادی ہوئی۔ گھریلو ماحول کی بدولت ابتدائی عمر ہی میں ادب و شعر میں دلچسپی پیدا ہو چکی تھی۔ شادی کے بعد کلام میں خاصی پختگی آ چکی تھی۔

سیدہ اختر اردو کی ایک قابل قدر اور خوش گو شاعرہ تھیں۔ اس کے علاوہ آپ کو سیاست سے بھی خاصی دلچسپی تھی۔ ایک اعلیٰ پایہ کی مقررہ ہونے کے باعث ان کو خطیبہ ہند کا خطاب ملا تھا۔ آزادی ملک کی تحریک میں انہوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا جس کے باعث اکابر ملت نے ان کی علمی صلاحیتوں اور قومی و سماجی خدمات کا اعتراف کیا ہے۔

سیدہ اختر اپنے زمانے کی بلند پایہ شاعرہ ہیں۔ ان کا کلام اسلامی اور مشرقی تہذیب و معاشرت کی عکاسی کرتا ہے۔ وہ مغرب کی حیاسوز طرز معاشرت اور تہذیب کی مخالفت کرتی ہیں اور شاعر مشرق علامہ اقبال کی شاعری اور طرز فکر سے متاثر ہیں۔ ان کی ایک شاندار نظم "سنگاپور میں ایک مسلم دوشیزہ کو محو رقص دیکھ کر" علامہ اقبال کی نظم "مسجد قرطبہ" کی بحر میں لکھی گئی ہے اور الفاظ کی شان و شوکت، حسن ادائی، اور اس کے ساتھ جذبات کی شدت اور جوش طبیعت نے ان کو علامہ اقبال کے شاعرانہ طرز بیان سے خاصا قریب کر دیا ہے۔ ان

کی دوسری نظموں میں بھی حب الوطنی اور مذہبی و قومی جذبات کے عناصر کارفرما ہیں۔

سیدہ اختر کا انداز بیان اور حسن طبیعت ان کی نعت گوئی میں بھی اسی شان سے موجود ہے۔ ان کی نعتوں کا مجموعہ "صحیفہ درخشاں" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ ان کی ایک نعت کے چند شعر ملاحظہ ہوں :

سلام اے سرور کونین اے مقصود یزدانی
سلام اے جلوہ توحید و شمع بزم روحانی
سلام اے وہ کہ تیری ٹھوکروں میں تاج شاہانہ
سلام اے وہ کہ تیرے فقر میں تھی شان سلطانی
سلام اے وہ کہ تو ہے جان انصاف و رواداری
سلام اے وہ کہ تجھ سے جاگ اٹھی روح انسانی
جسے تیرے جمال و حسن رحمت نے سجایا ہے
وہ دنیا ان دنوں ہے کشتہ درد و پریشانی
خصوصا تیری امت کا عجب حال پریشاں ہے
نہ یارائے شکیبائی نہ تاب درد پنہانی
تیری چشم توجہ کی طلب ہے آدمیت کو
زمانہ چاہتا ہے پھر ترے الطاف رحمانی

ان کی ایک نعتیہ غزل کے چند شعر دیکھئے :

ہجوم سجدہ بے تاب آہ کیا کہئے
پڑی رہوں میں اسی در پہ عمر بھر کے لئے
جو وہ نہیں ہیں تو یہ کائنات کچھ بھی نہیں
انہی کے جلوے ہوں پیش نظر، نظر کے لئے
بہار گلشن یثرب کی نزہتوں کو سلام
قدم قدم یہ ہے جنت میری نظر کے لئے

ادا جعفری، عزیز جہاں بیگم

اگست ۱۹۲۴ء میں پیدا ہوئیں۔ بدایوں کے ادب پرور ماحول میں شعری صلاحیتیں پیدا ہوئیں تو ادا تخلص اختیار کیا۔ ان کے والد قاضی بدرالحسن صاحب مرحوم محکمہ زراعت میں سپرنٹنڈنٹ تھے۔ شفقت پدری سے محروم ہو جانے کے بعد والدہ کی تربیت و نگرانی میں تعلیم حاصل کی اور ۱۹۴۰ء میں ایف اے پاس کیا۔ اردو زبان میں اچھی خاصی استعداد ہونے کے باعث اردو کے مضمون میں امتیازی حیثیت حاصل کی۔ فارسی اور ہندی میں بھی صلاحیت پیدا کی۔ ابتداء میں اختر شیرانی سے استفادہ کیا پھر اثر لکھنوی سے اصلاح لی۔ ان کے ابتدائی دور کا کلام رومان، ادب لطیف، شاہکار، آجکل اور کئی دوسرے رسائل میں چھپتا رہا۔ شروع میں ادا بدایونی تھیں لیکن نورالحسن جعفری سے شادی ہونے کے بعد ادا جعفری ہو گئیں۔ ان کے مجموعہ ہائے کلام "میں ساز ڈھونڈتی رہی"، "شہر درد"، "غزالاں تم تو واقف ہو" چھپ چکے ہیں۔

ادا نے جس زمانے میں شاعری شروع کی، وہ ترقی پسند ادب کے انتہائی عروج کا زمانہ تھا لہذا ادا ترقی پسندانہ اسلوب سے متاثر ہوئیں اور انہوں نے پابند نظموں کے ساتھ ساتھ نظم آزاد اور نظم معریٰ کے جدید شعری سانچوں میں اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ تاہم ہیئت کی تبدیل کے باوجود ان کی شاعری میں ردیف و قافیہ کا حسن موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے بہت جلد غزل سے اپنائیت کا اظہار کرتے ہوئے اپنے مشاہدات اور جذبات کو جدید انداز میں غزل میں سمویا۔ ان کی غزلوں میں وہی جاذبیت اور اثر آفرینی ہے، جو ان کی نظموں میں ملتی ہے۔

مجموعی طور پر ادا جعفری کا کلام روایت اور جدت کا حسین امتزاج ہے۔ ان کی شاعری میں اگر اقبال، جگر، اختر شیرانی، اور اثر لکھنوی کا اسلوب بیان اور طرز فکر نمایاں ہے تو

موجودہ دور کے شعری رویوں سے بھی انہوں نے انحراف نہیں کیا۔ اس سلسلے میں ان کے مجموعے "غزالاں تم تو واقف ہو" اور "شہر درد" مثال کے طور پر پیش کئے جا سکتے ہیں۔ تاہم ایک بات قابل ذکر ہے کہ عصر حاضر کی عمومی شاعری میں جس قدر بے راہروی اور بے ڈھنگا پن پایا جاتا ہے، اس کا انہوں نے ہرگز اثر قبول نہیں کیا۔ اور غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے مزاج شعری میں خاصی پختگی اور فنی چابکدستی موجود ہے۔

ادا جعفری کو مذہبی لگاؤ ہونے کی وجہ سے نعت گوئی سے بھی خاصی دلچسپی ہے بلکہ ان کی نعت گوئی میں ان کا دلی خلوص صاف جھلکتا ہے۔ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور والہانہ محبت اور بے اختیاری سے عقیدت کے پھول نچھاور کئے ہیں۔ ان کی ایک نعت کے یہ چند شعر ملاحظہ فرمائیں :

یہ حسن نوازش یہ اوج سعادت
یہ دل اور جمال سلام عقیدت
یہ سر اور دہلیز سرکار عالم
یہ جان اور جمال حریم محبت
یہی آستاں، آستان، تمنا
یہی رہگزر ہے خیابان جنت
ادھر چشم پرآب آئینہ ساماں
ادھر ناز فرما ہے طغیان رحمت
تری یاد دل کو متاع گرامی
ترا نام لب پر کمال عبادت

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سراپائے مبارک اور ان کے اوصاف اطہر کو ان چند اشعار میں بڑے خوبصورت انداز میں بیان کیا گیا ہے :

جمال سراپا حیات دل و جاں
شمیم تکلم بیاض طریقت
بہ حرمت بشیر و بہ قامت بہاراں
بہ تشریف انساں نوید امامت
دریدہ قبا و شہنشاہ دوراں
نسیم تلطف صباح حقیقت
چراغاں چراغاں نقوش کف پا
یہی ماہ تاباں یہی مہر طلعت

اور آخر میں لکھتی ہیں :

شہ دین و دنیا نگاہ ترحم
نگاہ ترحم سپہر نبوت
یہ ناز نوازش یہ شان عنایت
عطا ہو پھر اذن سلام عقیدت

ادا جعفری نے اپنے نعتیہ اشعار میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے چند نمایاں پہلوؤں کو اس رنگ میں بیان کیا ہے :

احسان ذوالجلال و دوعالم وقار ہیں
ہم جن کے ہیں وہ رحمت پروردگار ہیں
سالک بھی اور چراغ رہ سالکاں بھی ہیں
انساں ہیں اور قائد روحانیاں بھی ہیں
آفاق جس جمال سراپا سے محترم
افلاک جس کے نقش کف پا سے محترم
ہادی بھی آپ ناز ہدایت بھی آپ ہیں
صادق بھی اور یقین صداقت بھی آپ ہیں

ادا جعفری نعت میں سیرت اقدس کے مضامین بیان کرتے ہوئے عجز و انکسار کا پیکر بن جاتی ہیں اور نہایت عاجزی کے ساتھ بحضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم یوں استدعا کرتی ہیں :

رکھئے ہماری لاج زمانے کے سامنے
تشریف لائیں اپنے گواہوں کے تھامنے
اے رحمت تمام یہ وقت نگاہ ہے
یہ امت جناب رسالت پناہ ہے

اس طرح ایک دوسری نعت میں پریشاں حال امت کی نقشہ آرائی کرتے ہوئے رحمت تمام، خیرالانام صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور اس طرح فریاد کناں ہیں :

اوراق ہیں بکھرے ہوئے اے مصحف دین مبیں
اپنوں سے رشتہ توڑ کر اپنوں کی آنکھیں جھک گئیں
ملت تری امت تری اور یوں پریشان و حزیں
اے التفات بیکراں یا رحمتہ للعالمیں
پھر زندگی معدوم ہے دھندلا گئی ہے پھر نظر
اے مہرباں اے رازداں اے رہنما اے راہبر
کیوں راستے کجلا گئے کیوں منزلیں کھوئی گئیں
حرف دعائے کامراں یا رحمتہ للعالمیں

انیسہ ہارون شروانیہ

شروانی خاندان کی یہ ہونہار شاعرہ ۱۹۱۰ء میں پیدا ہوئیں۔ ان کے والد حاجی مولوی محمد یونس خان شروانی دتاولی ضلع علیگڑھ کے رئیس تھے۔ اردو ادب کی ایک نہایت بلند فکر اور پختہ گو شاعرہ زاہدہ خاتون شروانیہ کے والد گرامی نواب سر مزمل اللہ خان شروانی (رئیس بھیکم پور) ان کے حقیقی ماموں تھے۔ انیسہ ہارون کے دادا حاجی فیض اللہ خان شروانی مہاجر مکی علوم اسلامیہ کے ایک نہایت فاضل بزرگ گزرے ہیں۔

انیسہ ہارون نے خاندانی رواج کے مطابق تعلیم گھر پر ہی حاصل کی۔ حدیث، فقہ اور تفسیر اپنے والد سے پڑھی۔ ۱۹۲۲ء میں ان کی شادی ان کے چچا زاد بھائی پروفیسر ہارون خان شروانی (مشہور ماہر تاریخ) سے ہوئی۔ ۱۹۲۴ء میں شاعری کا آغاز ہوا۔ ۱۹۲۸ء میں فریضہ حج ادا کیا۔ ۱۹۳۸ء میں مغربی ممالک کا سفر کیا۔ انیسہ ہارون کا مجموعہ کلام ''انیسیات'' کے نام سے حیدر آباد (دکن) سے طبع ہو چکا ہے۔

انیسہ نے تعلیم اگرچہ گھر پر ہی حاصل کی لیکن علوم دین اور شعر و ادب میں ان کو کمال دسترس حاصل تھی۔ یہ وہ زمانہ ہے، جب شروانی خاندان بلکہ اکثر گھرانوں میں لڑکیوں کا گھر سے باہر نکل کر تعلیم پانا معیوب سمجھا جاتا تھا۔ اس کے باوجود شروانی خاندان کی دو تین لڑکیوں نے خداداد صلاحیتوں سے اپنے اندر علمی و ادبی جوہر پیدا کئے۔ ان شاعرات کو اگر باہر نکل کر اپنے جوہر آزمانے کا موقع دیا جاتا تو یقیناً وہ اس دور کے بڑے شعراء کی صف میں شامل ہوتیں لیکن ان کی طبعی شرافت اور خاندانی رسوم و رواج کی وجہ سے ان کا کلام نسبتاً وہ شہرت حاصل نہ کر سکا، جو عام اور کم درجے کے شعراء کو بھی نصیب ہو جاتی ہے۔

اس خاندان کی شاعرات کے بارے میں محترمہ فاطمہ بیگم صاحبہ رقمطراز ہیں :

''آپ میں سے بہت سے حضرات علیگڑھ کے شروانی خاندان سے واقف ہوں گے۔

مجھے بھی ایک عرصہ سے اس خاندان کی بیگمات سے نیاز حاصل ہے اور کئی مرتبہ ملنے کا اتفاق حاصل ہوا۔ نواب مزمل اللہ خان کی ہردو صاحبزادیاں احمدی بیگم اور زاہدہ خاتون نکمت اور نکہت تخلص کرتی ہیں۔ افسوس کہ زاہدہ خاتون جو ایک نہایت نازک خیال اور بے مثال شاعرہ تھیں، عین عالم جوانی میں ان کا انتقال ہو گیا۔ نواب محمد یونس خان شروانی کی صاحبزادی انیسہ خاتون پنہاں تخلص کرتی ہیں۔ علیگڑھ میں زنانہ کانفرنس کے موقع پر مجھے ایک پرائیویٹ مشاعرہ میں شامل ہونے کا اتفاق ہوا تھا۔ اب تک اس کی یاد دل میں تازہ ہے۔ یہ واقعہ اپریل ۱۹۱۵ء کا ہے۔ پچیس برس کا عرصہ گزرا ہے، لیکن کل کی بات معلوم ہوتی ہے۔ محترمہ زاہدہ خاتون شروانیہ کے دو شعر تو ابھی تک نہیں بھولی ہوں" (آفتاب حرم، صفحہ ۱۵،۱۴ مر ۳۴۴)

انیسہ ہارون کے مجموعہ کلام "انیسیات" کا مقدمہ مولانا کیفی چریاکوٹی کا تحریر کیا ہوا ہے۔ مجموعے کو تین ادوار میں تقسیم کیا گیا ہے۔ دور اول، دور ثانی اور دور حاضر۔ بقول رفیع الدین اشفاق "محترمہ کا کلام ان کے سفرِ حج کا تحفہ ہے۔ کلام کیا ہے دیارِ حبیب کے ذکر میں جذبات کی ترجمانی ہے"۔

انیسیات میں غزلوں کے علاوہ مناظر قدرت پر دلنشیں نظمیں ملتی ہیں، جو اخلاقی موضوعات اور ملک و قوم کی وصف نگاری سے عبارت ہیں۔ اکثر اشعار میں توحید و مناجات کے مضامین پائے جاتے ہیں۔ مجموعی حیثیت سے ان کا کلام سوز و گداز، برجستگی، اور شیرینی و لطافت سے مزین ہے۔ نعتیہ کلام بھی خاصی تعداد میں ہے۔

وہ توحید کے بیان میں کہیں کہیں نعتیہ اشعار قلمبند کر جاتی ہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ ان کی شاعری کا محرک ہی نعت نبی ہے۔ مجموعہ کلام کے سرورق پر ان کا یہ شعر :

شعر کی مشق بڑھی عشق نبی کی دھن میں
فیض کس کا اسے سمجھوں جو خدا داد نہیں

ان کے ذوق نعت کی واضح دلیل ہے۔

شاعرہ نے نہایت عجز و انکسار اور کمال ادب کے ساتھ خاتم النبین کے حضور خامہ فرسائی کی ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ ان سے عشق کا اظہار بیباکانہ حد تک موجود ہے۔ انداز بیان میں وہی سوز و گداز اور وہی تڑپ ہے جو ایک سچے نعت گو کے لئے لازم ہے :

کیا ہجر نے مجھ کو بیمار دیکھو
تڑپتا ہے ہر دم دل زار دیکھو
جہاں میں کسی سے نہیں پیار دیکھو
فقط ہوں تمہاری طلبگار دیکھو

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اس بات کی متقاضی ہے کہ عشق صادق رکھنے والا اس ذات گرامی کو نہ صرف ماں باپ، بہن بھائی، اولاد اور دیگر قلبی رشتوں سے زیادہ عزیز رکھے بلکہ اپنے جان و مال کو بھی فراموش کردے۔ عشق کی انتہا یہی ہے کہ محب اور محبوب میں تیسری چیز محبوبیت کا درجہ حاصل نہ کر سکے۔ انیسہ کے جذبہ عشق میں یہی صداقت موجود ہے اور وہ بلا تامل اپنے عشق کا اظہار ان لفظوں میں کرتی ہے :

سزاوار ہو مجھ کو یارب یہ الفت
مدینے کے ساجن سے ہے دل لگایا
کیسے جاؤں کہ محمد سے زیادہ محبوب
ماں نہیں باپ نہیں شوہر و اولاد نہیں
محمد حکمراں ہے مرد مومن کے دل و جاں پر
نہیں منظور ہفت اقلیم بھی بدلے محمد کے

شاعرہ کی دلی بیقراری اور تڑپ اس کے کلام میں بے حد نمایاں ہے۔ اکثر اشعار میں نالہ فراق اور یاد ہجر نے انتہائی سوز و گداز کی کیفیت پیدا کر دی ہے۔ اس قسم کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں :

خواب میں جلوہ دکھاتے کیوں نہیں

بے کلی دل کی مٹاتے کیوں نہیں
پر خطا ہوں یا محمد مصطفیٰ
اپنے دامن میں چھپاتے کیوں نہیں
مجھے یاد فرما رہے ہیں دوبارہ
مقدر کا چمکا ہے شاید ستارہ
کروں میں اگر نالہ ہجر نبی میں
فلک پر پہنچ جائے بن کر شرارہ
جب مرقد حبیب سے آنکھیں ہوئیں دوچار
ہاتھوں سے دل کو تھام لیا اور آہ کی
اس درجہ اشکبار کیا یاد ہجر نے
صورت نہ جسم و جاں میں رہی کچھ نباہ کی
آج پہلو میں ہمارے دل ناشاد نہیں
کس کو دے آئے کہاں بھول گئے یاد نہیں
مہر بر لب ہوں مجھے طاقت فریاد نہیں
کچھ بھی رونے کے سوا بار خدا یاد نہیں

محترمہ انیسہ ہارون کے نعتیہ کلام میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف اور سیرت اقدس کے چیدہ چیدہ پہلو بھی نظم ہوئے ہیں' اور ایک مقصدی نعت گوئی کے لئے یہ پہلو بنیادی حیثیت کا حامل ہے۔ تاہم یہ ضروری ہے کہ اوصاف محمدی کے بیان میں شاعر کا جذبہ بھی صادق ہو اور حزم و احتیاط کا دامن بھی نہ چھوٹے۔ انیسہ کے نعتیہ اشعار میں نہ صرف یہ پہلو نمایاں ہے بلکہ جذبے کی صداقت بھی موجود ہے۔ الفاظ کی بے ساختگی' انداز بیان کی شیفتگی اور ان کے لہجے کی مٹھاس ان کے صدق جذبات کی ترجمان ہے :

محمد سرور کون و مکاں ہے

محمد افتخار انس و جاں ہے
وہ صادق معترف تھے جس کے دشمن
وہ ناطق جس کی الہامی زباں ہے
وہ موصوف علیٰ خلق عظیم
یہ خود خلاق عالم کا بیاں ہے
وہ محبوب دوعالم جس کی شہرت
زمیں سے تابہ ہفتم آسماں ہے
بے کسوں کا سہارا محمد
دردمندوں کا چارہ محمد
دلنشیں و دل آرا محمد
نام کتنا ہے پیارا ہے محمد
مژدہ فقر و فخری سنایا
حوصلہ مفلسوں کا بڑھایا
فرق شاہ و گدا سب مٹایا
سب کو آپس میں بھائی بنایا

انیسہ کا نعتیہ کلام ترنم اور نغمگی سے نمو پاتا ہے۔ آخر میں ان کی ایک نعت کے چند شعر دیکھئے' جس میں ان کے سوز و اثر اور جذب و شوق نے بے حد روانی سادگی اور نغمگی پیدا کر دی ہے :

گلشن عالم میں وہ جان بہار آ ہی گیا
بوٹے بوٹے پتے پتے پر نکھار آ ہی گیا
حضرت عیسیٰ نے دی جس کی نبوت کی نوید
چشم موسیٰ کو تھا جن کا انتظار آ ہی گیا

جس کی خدمت میں سلاطین زمن دیں گے خراج
فقر کے ملبوس میں وہ تاجدار آ ہی گیا
میں نہ بھولوں گی کبھی احسان تیرا یا حبیب
تجھ سے دل کی بیقراری کو قرار آ ہی گیا

بشیر، بشیر النساء بیگم

بشیر النساء بیگم نام اور بشیر تخلص ہے۔ ۱۹۱۵ء میں حیدر آباد (دکن) میں پیدا ہوئیں۔ شعر و ادب کے ماحول میں پرورش پائی۔ ان کے شوہر بھی چونکہ صاحب ذوق تھے' اس لئے ان کے شعری ذوق اور ادبی صلاحیتوں کو مزید ابھرنے کا موقع ملا۔ اردو کے اکثر معیاری رسالوں میں ان کا کلام شائع ہو چکا ہے۔ ان کا مجموعہ کلام "آبگینہ شعر" ۱۹۴۸ء میں ادارہ ادبیات اردو حیدر آباد سے شائع ہوا تھا۔

ان کی شاعری احساسات و تاثرات اور قلبی واردات کی آئینہ دار ہے۔ خواجہ حمید الدین شاہد "حیدر آباد کے شاعر" میں لکھتے ہیں کہ "بشیر دکن کی کہنہ مشق اور واحد خاتون شاعرہ ہیں' جن کا کلام علمی و ادبی حلقوں میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ خواتین کی علمی و ادبی محفلوں میں جب وہ اپنا کلام سناتی ہیں تو سراپا شعر اور مجسم شعریت بن جاتی ہیں۔ حیدر آباد ریڈیو سے ان کا کلام کئی بار نشر ہو چکا ہے۔ وہ ایک اچھی انشاء پرداز بھی ہیں۔ مختلف علمی و ادبی موضوعات پر ان کے مضامین شائع ہو چکے ہیں"۔

بشیر النساء علامہ اقبال کے رنگ سے متاثر ہیں۔ تذکرہ شاعرات اردو میں ان کا ذکر موجود ہے مگر تفصیلی حالات دستیاب نہیں ہوئے۔ "کلام نسواں" مرتبہ جمیل برنی میں مجھے ان کی ایک نعت ملی ہے۔ چند شعر دیکھئے:

در رحمت کھلا ماہ ربیع الاولیں آیا
جہاں میں غل ہوا محبوب رب العالمیں آیا
جہاں میں قلب زنگ آلود انساں پاک کرنے کو
رسول پاک سیرت، پاک باطن، پاک بیں آیا
فضائے دہر تھی تاریک بدعت کی جہالت سے

جہاں میں نور ایماں بن کے شمس العارفیں آیا
قدوم پاک سے تیری ہوئی ہے عرش کی زینت
بجز تیرے نبی کوئی وہاں جا کر نہیں آیا
تری کوشش سے ہم نے مژدہ لاتقنطوا پایا
ترے باعث ہمارے ہاتھ قرآن مبیں آیا
زبان پاک سے نکلا ہے "لا" توحید کی خاطر
لب معجز بیاں پر ورنہ لا ہرگز نہیں آیا
فرشتے آرزو کرتے تھے ہر دم باریابی کی
مگر ہر بار خدمت کے لئے روح الامیں آیا

بہتر، خیر النساء بہتر

ان کا نام خیر النساء اور بہتر تخلص تھا۔ رائے بریلی کے مشہور خانوادہ سادات کے بزرگ حضرت سید شاہ ضیاء النبی کی صاحبزادی تھیں۔ تذکرہ شعرائے اردو "گل رعنا" کے مولف مولانا عبدالحی کے عقد نکاح میں آئیں۔ دور حاضر کے مفکر و عالم اور بیش بہا کتابوں کے مصنف، مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن ندوی ان کے صاحبزادے ہیں۔ آداب شریعت کی پابند اور تصنیف و تالیف سے ان کو خاصی دلچسپی تھی۔ "حسن معاشرت"، "الدعا والقدر"، "ذائقہ" اور "باب رحمت" ان کی علمی و ادبی یادگاریں ہیں۔ آخر الذکر تصنیف ان کی نظموں اور مناجات کا مجموعہ ہے، جس کی بعض نظموں میں حمد و مناجات کے پیرائے میں نعت کا رنگ اختیار کیا ہے۔ ۱۹۶۸ء میں ان کا انتقال ہوا۔ مولانا ندوی نے ان کے سوانح "ذکر خیر" کے نام سے لکھ کر شائع کردئے ہیں (۴)۔

خیر النساء بہتر کے نعتیہ کلام کا نمونہ ملاحظہ ہو :

یا الٰہی اب مجھے دیدار احمد ہو نصیب
کر دعا مقبول میری نام تیرا ہے مجیب
خواب میں مجھ کو نظر آئیں تو میں اس دم کہوں
ہے یہی پیارا محمد جو خدا کا ہے حبیب
ہوں اسی دم یا الٰہی میں فدائے مصطفیٰ
روح میری جنت الفردوس کے پہنچے قریب
آئیں حوریں میرے لینے کے لئے فردوس سے
شور ہو عالم میں یہ ہر سو کہ کیا جاگے نصیب
تو ہی گر چاہے کرے ذرہ کو بھی رشک قمر

فضل سے تیرے ہو بہتر کو بھی یہ دولت نصیب

بہتر نے مناجات کے رنگ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار کی تمنا کی ہے۔ اس طرح ایک دوسری جگہ اس خواہش کا اظہار وہ اس طرح کرتی ہیں :

دکھا دے یارب وہ شکل زیبا مجھے یہ فرصت ملے الٰہی
کروں میں دیدار مصطفیٰ کا مجھے یہ نعمت ملے الٰہی
حبیب تیرا وہ تیرا پیارا پیارا کہ جس پہ قرآں ہے اتارا
ہے جو کہ مرسل نبی ہمارا وہ پیاری صورت ملے الٰہی

محترمہ خیرالنساء بہتر کو حج و زیارت کا شرف ۱۹۴۷ء میں حاصل ہوا۔ شاید اس سے قبل ان کی زبان پر یہ اشعار رہے :

یہی تمنا ہے اب تو یارب کہ مجھ کو پہنچا دے پاک طیبہ
نکالوں دل کی میں حسرتیں سب مجھے یہ نعمت ملے الٰہی
ہو اب تو یارب وہیں پہ رمضاں سناؤں خوش خوش وہاں پہ قرآں
ہو مجھ پہ رحمت تری یہ رحماں مجھے یہ عظمت ملے الٰہی
مجھے عنایت ہو جس قدر زر کروں میں خیرات واں پہ جا کر
ہزاروں دے ڈالوں میں چھپا کر مجھے وہ دولت ملے الٰہی
اگر ہو جانا مدینہ بہتر کبھی نہ آؤں وہاں سے پھر کر
جیوں وہیں پہ مروں وہیں پر مجھے وہ قسمت ملے الٰہی

بیگم افضال

تفصیلی حالات دستیاب نہیں ہوئے۔ تذکرہ شاعرات اردو کے مولف کے مطابق "آپ ڈاکٹر محمد افضال حسن صاحب کی شریک حیات ہیں۔ کلام اکثر "خاتون مشرق" میں شائع ہوتا ہے۔ اکثر اسلامی شاعری کرتی ہیں اور حفیظ جالندھری کے شاہنامہ اسلام کے رنگ سے متاثر معلوم ہوتی ہیں"۔

تذکرہ شاعرات اردو ۱۹۴۴ء میں شائع ہوا تھا۔ راقم کے پاس اس کے بعد کوئی ایسا مواد موجود نہیں، جس سے ان کے حالات پر مزید روشنی ڈالی جا سکے۔ بہرحال یہاں مذکورہ تذکرے کے حوالے سے ان کی اس نعتیہ نظم کے اشعار درج کئے جاتے ہیں، جس میں انہوں نے شاعرانہ تخیل سے کام لیتے ہوئے تعمیر کعبہ کے وقت معماران حرم کے دعایہ کلمات نظم کئے ہیں اور اشعار میں نعتیہ رنگ پیدا کیا ہے۔ :

اٹھائی جا رہیں تھیں جب خدا کے گھر کی دیواریں
تو معماران بیت اللہ نے سوچا کہ کیا مانگیں
معا آئی لبوں پر یہ دعا "اے خالق اکبر
تری رحمت ہو اس گھر پر یہاں کے رہنے والوں پر
کرم سے تیرے اس صحرا میں ایسا شخص پیدا ہو
کہ جس کی ذات الطاف خداوندی کا چشمہ ہو
جو بیت اللہ کے آداب انسانوں کو سکھلائے
طریقے جو عبادات خداوندی کے بتلائے
جو قلب و ذہن انسانی کو اک تابندگی بخشے
جہان کن فکاں کی روح کو اک زندگی بخشی

وہ امی جو کتاب زندگی پڑھتا ہوا آئے
خدائی علم و حکمت کی یہاں تعلیم فرمائے"
ہوئی مقبول معمار حرم کی یہ دعا ساری
کہ بطحا سے ہوا وہ چشمہ لطف خدا جاری
جو ساری نوع انسانی کا رہبر اور ہادی ہے
وہ جس کے فیض سے شاداب ہر صحرا و وادی ہے
جو حامل ہے کتاب اللہ و قانون الٰہی کا
وہی ہے رہنمائے آخری ساری خدائی کا
لواء الحمد جس کے ہاتھ میں ہوگا قیامت میں
اسی کی بس سنی جائے گی انساں کی شفاعت میں

بیگم عروج

بیگم عروج کے بھی تفصیل حالات معلوم نہیں ہو سکے۔ اس لئے تذکرہ شاعرات اردو کے اس مختصر بیان پر انحصار کیا جاتا ہے :

"آپ حضرت عروج بدایونی کی شریک حیات ہیں۔ خاتون مشرق کی شاعرہ ہیں۔ عموماً نعتیہ مضامین نظم کرتی ہیں۔ کلام میں صفائی و روانی موجود ہے"۔

ان کی نعت کا نمونہ ملاحظہ ہو :

بشر کیا لکھ سکے گا نعت پر عظمت محمد کی
خدا قرآن میں کرتا ہے خود مدحت محمد کی
نہ کیوں روشن تریں ہو عزت و حرمت محمد کی
عیاں ہے سورہ والشمس سے صورت محمد کی
تمنا خون بنکر دوڑتی پھرتی ہے رگ رگ میں
مری ہستی کی گویا روح ہے الفت محمد کی
ھواللہ احد کا نعرہ سن کر بت ہوئے اوندھے
تعالی اللہ چھائی اس طرح ہیبت محمد کی
اسامہ سے انس سے اور بلال و زید سے پوچھو
کہ ان سب پر رہی ہے کس قدر شفقت محمد
کھلے جنت کے دروازے بڑھے رضواں بھی لینے کو
گنہگاروں کو لے کر آئی جب رحمت محمد کی
قسم کھا کر کہا ہے نحن اقرب کہنے والے نے
وہ مجھ سے دور ہے جس پر نہیں رحمت محمد کی

تبسم، فاطمہ فاروقی

شفیق بریلوی کے بیان کے مطابق ۱۹۳۴ء کو مراد آباد میں پیدا ہوئیں۔ ان کے والد حامد حسین ایسٹ انڈین ریلوے میں چیف انسپکٹر تھے۔ پیدا ہوتے ہی ماں کے سایہ عاطفت سے محروم ہو گئیں۔ اس لئے ان کی پرورش ان کی خالہ نے کی۔ ان کے خالہ زاد بھائی عزیز الرحمان مراد آباد میں ایجوکیشنل سپرنٹنڈنٹ تھے۔ نصاب کے لئے انہوں نے بہت سی کتابیں بھی لکھی ہیں۔ فاطمہ کے چچازاد بھائی سلام مچھلی شہری مشہور شاعر ہیں۔ پھوپھی زاد بھائی سید محبوب کبریا جعفری کلکتہ سے خادم اخبار نکالتے تھے اور اپنے وقت کے مشہور صحافی اور ممتاز نقاد تصور کئے جاتے تھے۔

اس ماحول میں پرورش پانے والی فاطمہ کو ابتداء ہی سے پڑھنے اور لکھنے کا شوق تھا۔ اس سلسلے میں فاطمہ کے بھائی مختار احمد صدیقی نے ان کے ذوق کو ابھارنے میں بڑی مدد دی۔ ۱۹۴۹ء میں سروجنی نائیڈو کی یادگار "ٹاؤن ہال" بنارس میں ایک عظیم الشان مشاعرہ منعقد ہوا تو بھائی کی کوششوں سے اس میں حصہ لیا اور گولڈ میڈل انعام میں حاصل کیا۔ تقسیم پاکستان کے بعد وہ مشرقی پاکستان چلی گئیں۔ جہاں رضا علی وحشت (کلکتوی) اور اقبال عظیم کا پڑوس ملا، جس کے باعث ان کے ادبی ذوق کو مزید جلا ملی۔ فاطمہ مشرقی پاکستان کے اکثر مشاعروں میں حصہ لیتی رہیں اور وہاں کے اخبار و رسائل میں چھپتی رہیں۔ ان کے شوہر امجد حسین فاروقی جو محکمہ ڈاک ڈھاکہ میں ملازم ہیں، انہیں بھی شعر و ادب سے بڑا لگاؤ ہے۔

شفیق بریلوی کا تذکرہ "شاعرات پاکستان" ۱۹۶۱ء میں شائع ہوا۔ سلطانہ مہر کا تذکرہ "آج کی شاعرات" ۱۹۷۳ء کی تصنیف ہے لیکن اس میں تبسم فاطمہ کا ذکر نہیں ملتا۔ بنابرایں راقم ان کے موجودہ حالات سے واقف نہ ہو سکا۔ شفیق بریلوی مرحوم نے ان کی غزلوں کا نمونہ اپنے تذکرے میں دیا ہے لیکن ان کی نعت گوئی کا ذکر نہیں کیا۔ البتہ اپنی دوسری مرتبہ کتاب

"ارمغان نعت" کے صفحہ ۳۳۶ پر ان کی نعت درج کی ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تبسم فاطمہ کو نعت گوئی سے دلچسپی تھی۔

ان کی نعت کے چند شعر دیکھئے :

آپ ہیں نور مجسم آپ فخر دو جہاں
یوں بشر کہنے کو ہے لیکن خدا کے رازداں

در پہ ان کے شان محبوبی نظر آتی ہے جب
دیکھتی ہوں آستانے پر ہجوم قدسیاں

آپ لے کر آ گئے دنیا میں فرمان خدا
حکم کے تابع رہیں گے حشر تک پیر و جواں

کتنے احساں کر چکے اور کس قدر کرنے کو ہیں
آپ ہی تو ہونگے روز حشر ہم پر مہرباں

رونق عالم! نگاہ لطف مجھ پر کیجئے
زندگی سے دور ہو جائے مری دور خزاں

گلشن عالم میں کیوں مجھ کو سکوں ملتا نہیں
آپ ہی بتلایئے اے رازدار بیکساں

دیکھنا ہے گر تبسم شمس طیبہ دیکھ لے
ہے مدینہ میں وہ محبوب خدا عنبر فشاں

تسنیم، امتہ اللہ تسنیم

عائشہ نام، امتہ اللہ کنیت اور تسنیم تخلص تھا۔ خیرالنساء بہتر، جن کا ذکر پچھلے صفحات میں کیا جا چکا ہے، وہ ان کی والدہ اور مولانا سید ابوالحسن ندوی ان کے بھائی ہیں۔ ۱۸ جون ۱۹۰۸ء کو دائرہ شاہ علم اللہ رائے بریلی میں پیدا ہوئیں۔ بڑے بھائی سید عبدالعلی مرحوم اور چھوٹے بھائی مولانا سید ابوالحسن ندوی سے تعلیم حاصل کی۔ مولانا ندوی نے ایک مضمون "میری بہن امتہ اللہ تسنیم صاحبہ مرحومہ" ان کی وفات پر لکھا تھا، جس میں ان کے حالات اور ان کی چیدہ چیدہ خوبیوں کو بیان کرتے ہوئے بڑے دردناک پیرائے میں ماضی کی چند یادوں کو دہرایا ہے۔ آغاز میں لکھتے ہیں :

"تاریخ اور سیر و سوانح کے بلا مبالغہ ہزاروں صفحے سیاہ کرنے کے بعد بھی قلم کو اس کہانی کے لکھنے میں دشواری پیش آ رہی ہے کہ شاید اس میں جگ بیتی سے زیادہ آپ بیتی کا حصہ ہو۔ اس کہانی کے سنانے سے بہت سے ایسے واقعات اور مناظر آنکھوں کے سامنے آ جاتے ہیں جن سے داغ کہن تازہ ہو جاتے ہیں۔ آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈبا جاتی ہیں اور دل کو تھامے بغیر ان کی کہانی سنانا اور لکھنا ممکن نہیں"۔ (یادوں کے چراغ۔ جلد دوم۔ ص ۳۴)

مرحومہ کا دینی و ادبی ذوق بہت پختہ تھا۔ اردو کے علاوہ عربی زبان میں بھی استعداد تھی۔ ان کی یادگار تصانیف میں "بچوں کی قصص الانبیاء" (۵) اور امام نووی (م ۶۷۶ھ) کی حدیثوں کی کتاب "ریاض الصالحین" کا اردو زبان میں سلیس ترجمہ "زاد سفر" قابل قدر ہیں۔ زاد سفر کا پہلا ایڈیشن ۱۹۴۵ء میں نکلا۔ جدہ کے سعودی ریڈیو سٹیشن سے اردو پروگراموں میں یہ کئی قسطوں میں نشر ہوئی اور رابطہ عالم اسلامی نے اس کے کئی سو نسخے خرید کر اردو بولنے اور سمجھنے والے ملکوں میں بھیجے۔ اس کتاب کے پہلے حصے کا ہندی ایڈیشن بھی

شائع ہو چکا ہے۔ پاکستان میں یہ ترجمہ مجلس نشریات اسلام کراچی سے دو جلدوں میں طبع ہو چکا ہے۔

ان کا مجموعہ کلام "موج تسنیم" نعتوں اور دوسرا مجموعہ "باب کرم" حمد و مناجات پر مشتمل ہے۔

مرحومہ کو علمی و ادبی ذوق ورثے میں ملا تھا۔ ان کے والد مولانا سید عبدالحی ندوی ایک فاضل دین اور ناظم ندوۃ العلماء ہونے کے ساتھ ساتھ شعر و ادب کا اعلیٰ مذاق رکھتے تھے اور اس کی زندہ مثال ان کا شاہکار تذکرہ "گل رعنا" ہے جو مرحومہ کو زبانی یاد تھا۔ ان کی شاعری ان کے حقیقی ماموں زاد بھائی مولانا سید ابوالخیر حسنی سے ہوئی تھی، جو اردو اور عربی دونوں زبانوں کے ادیب تھے۔ شاعری کا بھی نہایت عمدہ ذوق رکھتے تھے۔

خالص علمی و ادبی گھرانے سے تعلق ہونے کی بنا پر ان کا ذوق شعری پروان چڑھا لیکن انہوں نے اپنے قلم کو بے مقصد شاعری سے آلودہ نہ ہونے دیا۔ ان کی شاعری کا سارا دارو مدار حمد و مناجات اور خالص نظریہ توحید ہے۔ ان کی مناجات میں جو سوز و اثر اور جذب و کیف ہے، وہ ان کے پڑھنے والوں کے لئے بے پناہ تڑپ پیدا کر دیتے ہیں۔ باب کرم کی ایک نظم میں انہوں نے خالق حقیقی کے حضور آنکھوں کی اشکباری اور دلی بیتابی سے اپنے حالات و کیفیات کو جس انداز میں بیان فرمایا ہے، ناممکن ہے کہ سخت سے سخت دل بھی اس کو پڑھ کر بے چین نہ ہو :

کب سے کھڑی ہوں یارب امید کے سہارے
یہ دن نہ جانے میں نے کس طرح سے گزارے
بے چین و مضطرب دل جا کر کسے پکارے
وہ کون ہے جو حالت بگڑی ہوئی سنوارے
ہے باب یہ کرم کا خالی نہ پھیر یارب
دینا اگر تجھے ہے پھر کیوں ہے دیر یارب

کنج قفس سے بدتر اپنا ہے آشیانہ
اس قید بے کسی میں گزرا ہے اک زمانہ
مغموم دل پہ یارب لازم ہے رحم کھانا
کرتی ہوں میں شکایت تجھ سے یہ عاجزانہ
بار الم ہے دل پر طاقت نہیں ہے دل میں
کیوں کر ہو صبر مجھ سے ہمت نہیں ہے دل میں

اس نظم کا یہ ایک شعر ہی دریائے رحمت میں تلاطم پیدا کرنے کے لئے کافی ہے :

بندہ نواز میری منت کی لاج رکھ لے
میری نہیں تو اپنی رحمت کی لاج رکھ لے

ان کے مجموعہ نعت "موج تسنیم" سے ایک نعت کے چند شعر ملاحظہ فرمائیں :

حضرت اقدس مرسل خاتم صلی اللہ علیہ وسلم
مظہر دین اور رہبر عالم صلی اللہ علیہ وسلم
صبح سعادت مہر درخشاں صلی اللہ علیہ وسلم
حسن سراپا نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم
جسم مطہر کتنا معطر روئے مبارک ماہ منور
دلکش باتیں شیریں تبسم صلی اللہ علیہ وسلم
شاہ عرب اور شاہ مدینہ فخر عرب سلطان مدینہ
صاحب کوثر مالک زمزم صلی اللہ علیہ وسلم
ان کی آمد رحمت یزداں ان کی بعثت بخشش رحماں
خلق خدا کے رہبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم
مظہر دین و رہبر کامل جن پہ ہوا ہے دین مکمل
وحی خدا کے پیکر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم

تہنیت، تہنیت النساء بیگم

تہنیت صاحبہ حیدر آباد کے ایک ضلع دار اور نیک صفت امیر نواب رفعت یار جنگ مرحوم کی صاحبزادی اور اردو زبان و ادب کے مشہور ادیب محی الدین قادری زور کی اہلیہ ہیں۔ ۲۰ مئی ۱۹۱۱ء کو حیدر آباد میں پیدا ہوئیں۔ محبوبیہ گرلز سکول میں تعلیم پائی۔ ۱۹۵۲ء میں فریضہ حج ادا کیا۔ زیارت حرمین کے بعد نعتیہ کلام لکھنے کی ابتداء ہوئی۔ ان کے دو مجموعے "ذکر و فکر" ۱۹۵۵ء میں اور "صبر و شکر" ۱۹۵۶ء میں شائع ہوئے۔

محترمہ تہنیت النساء بیگم کی تربیت ایک ایسے گھرانے میں ہوئی جو گہرا مذہبی رنگ لئے ہوئے تھا۔ یہی وجہ ہے کہ نعت گوئی اس خاندان کے طبقہ نسواں کی روایت رہی ہے۔ محترمہ کی پھوپھیاں بھی نعت کہتی تھیں اور ان کی والدہ ماجدہ اور نانی مرحومہ دیار حبیب سے والہانہ وابستگی اور محبت کے باعث مدینہ منورہ جا کر مقیم ہو گئیں اور بالآخر انہوں نے وہیں وفات پائی۔

تہنیت کی نعت گوئی کی خصوصیات میں ان کے قلبی سوز و گداز اور جذبے کی سچائی نمایاں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شاعرہ کو بے پناہ محبت ہے اور یہی اس کا جزو ایماں ہے:

نہ ہو قلب و نظر معمور و خرم تہنیت کیوں کر
خدا رکھے پیمبر کی محبت جزو ایماں ہے

ان کی ایک نعت کے چند شعر ملاحظہ ہوں :

جب سے الطاف و کرم ہر جا نظر آنے لگے
سب میں محبوب خدا یکتا نظر آنے لگے
راز ہستی بے نقاب اس طرح دنیا پر کیا

وہ سراپا رحمت دنیا نظر آنے لگے

نوع انساں کو دکھائی راہ عرفاں اس طرح
راز ہائے عالم بالا نظر آنے لگے

جیسے جیسے سوئے طیبہ ہم سفر بڑھتے گئے
اپنی ہستی سے بھی بے پروا نظر آنے لگے

کیا بتائیں روضہ اقدس کی کیف انگیزیاں
حسن کے جلوے ہمیں کیا کیا نظر آنے لگے

وقت رخصت ہم پہ جو گزری ابھی تک یاد ہے
چھوڑتے ہی ان کا در تنہا نظر آنے لگے

یہ چند اشعار ملاحظہ فرمائیں، جن میں شاعرہ کا دلی سوز و گداز اور جذب و کیف پورے طور پر نمایاں ہے:

آج دل مائل گفتار نظر آتا ہے
پھر تصور میں وہ دربار نظر آتا ہے

جب سے ہم لوٹ کے آئیں ہیں ترے کوچے سے
ہمیں ہر پھول یہاں خار نظر آتا ہے

بند کی آنکھ تصور جو کیا طیبہ کا
روضہ احمد مختار نظر آتا ہے

لو خبر تہنیت زار کی یا شاہ امم
اس کا دل غم میں گرفتار نظر آتا ہے

مسرور نہ ہوں کیونکہ ملی نعت عظمیٰ
پہنچی جو میں اس در پہ مرا بخت رسا ہے

روضے پہ بلا لیجئے پھر مجھ کو دوبارہ
یہ تہنیت زار کی ہر وقت دعا ہے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اقدس معراج انسانیت ہے۔ ایک نعت گو جب عقیدت و احترام کے ساتھ ان کے حضور ان کے اوصاف و کمالات کا ذکر کرتا ہے تو اپنے ہی فن کو جلا بخشتا ہے۔ ان کے کمالات کا احاطہ کرنا عقل انسانی سے ماورا ہے تاہم شاعر کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ صلوا علیہ وسلموا تسلیما کے مصداق اپنے فرض کی بجا آوری کرے۔ تہنیت نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کو اس طرح بیان کیا ہے:

وہ دنیا میں پیغام حق لانے والے
حبیب خدا جگ میں کہلانے والے

وہ بیوہ کے غم خوار بیکس کے ہمدم
غریبوں یتیموں کا غم کھانے والے

زمانے کو ہے یاد اب تک وہ منظر
دعا پا رہے ہیں غضب ڈھانے والے

بھٹکتے ہوؤں کو رہ حق دکھائی
بنے رہنما ٹھوکریں کھانے والے

کرو تہنیت قصد طیبہ یہ کہہ کر
نہیں لوٹ کر اب کے ہم آنے والے

تمہارے حسن جہاں نما سے ہوا ہے عرش بریں منور
زمیں سے پہلے زماں سے پہلے شجر سے پہلے حجر سے پہلے

ملا نہ رتبہ کسی کو ایسا کہ خود ثنا خواں خدا ہو جس کا
نبی اگرچہ بہت ہیں گزرے جناب خیرالبشر سے پہلے

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور ان کی غلامی ایک مسلماں کے لئے ہزاروں

نعتوں سے بڑھ کر ہے۔ تہنیت کا جذبہ نعت دیکھئے :

عطا کی ہیں ہزاروں نعمتیں دنیا میں انساں کو
محمد کی غلامی سب سے بڑھ کر فضل یزداں ہے

حمیدہ بیگم (ح-ب)

محترمہ حمیدہ بیگم ۱۹۰۰ء میں وزیر آباد (گوجرنوالہ) کے نواحی گاؤں کرم آباد میں پیدا ہوئیں۔ مولوی سراج الدین احمد خان مرحوم بانی اخبار زمیندار ان کے والد اور مولانا ظفر علی خان ان کے بھائی تھے۔ ان کی شادی راجہ عنایت اللہ خان سے ہوئی۔ مشہور شاعر راجہ مہدی علی خان ان کے صاحبزادے تھے (۶)۔ عربی و فارسی اور اردو انہوں نے بچپن میں اپنے والد سے پڑھی اور خاصی دسترس حاصل کر لی۔ ان کا علمی مرتبہ نہایت بلند تھا بلکہ خواتین علم و ادب میں ان کا نام سر فہرست رہا ہے۔ ۱۹۶۶ء میں جب ان کے صاحبزادے راجہ مہدی علی خان کا انتقال ہوا تو وہ اس صدمے سے جانبر نہ ہو سکیں، لہٰذا چند ماہ بیمار رہنے کے بعد ۱۹۶۷ء میں اس عالم فانی سے رخصت ہوئیں۔

حمیدہ بیگم کو عربی و فارسی پر بے حد عبور تھا۔ اس بنا پر وہ لاہور کے ایک سکول میں معلمہ کے فرائض انجام دیتی رہیں۔ امرتسر اور گوجرانوالہ سے بیک وقت شائع ہونے والے ایک رسالہ "نور جہاں" کی ایڈیٹر تھیں۔ بعد میں اپنا رسالہ "نسوانی دنیا" جاری کیا اور ۱۹۳۹ء تک اس کی ادارت کے فرائض سرانجام دیئے۔ ان کا کلام نسوانی دنیا، نور جہاں، ہمایوں اور متعدد رسائل و جرائد میں شائع ہوتا رہا ہے۔ وہ نہ صرف ایک کامیاب شاعرہ تھیں بلکہ افسانہ نگاری میں بھی انہیں کمال حاصل تھا۔ اس کے علاوہ انہوں نے انگریزی افسانوں کے اردو ترجمے بھی کئے تھے۔ مجموعہ کلام "نوائے حرم" ان کی زندگی میں شائع ہو کر خراج تحسین حاصل کر چکا ہے۔ عبدالرزاق بسمل نے تذکرہ جمیل (مطبوعہ ۱۹۲۹ء) میں ان کا ذکر کیا ہے۔ بدر امروہوی کی کتاب "آفتاب حرم" میں بھی ان کے کلام کا نمونہ دیا گیا ہے۔

ان کا مجموعہ کلام نوائے حرم ایک ہی بار تاج کمپنی سے شائع ہوا۔ اس پر سن طباعت تحریر نہیں تاہم آفتاب حرم میں اس کی اشاعت کا ذکر موجود ہے، جس سے ظاہر ہے کہ ح۔

ب کا یہ مجموعہ ۱۹۴۹ء سے پہلے شائع ہو چکا تھا۔

ان کے مجموعہ کلام میں مختلف عنوانات کے تحت جو نظمیں ملتی ہیں' ان سب میں ان کا خاص موضوع حمد و نعت ہے۔ ان کی حمدیہ اور نعتیہ شاعری میں ان کے بھائی مولانا ظفر علی خان مرحوم کا خاص رنگ نمایاں ہے۔ مولانا ظفر علی خان کی مشہور نعت :

چلتے تھے جس مقام پہ پر جبرئیل کے
ایسی حقیقتوں کے شناسا تمہی تو ہو

اس زمین میں ح۔ب نے ۲۱ اشعار پر مشتمل ایک نعت کہی ہے' جس کا عنوان "ماہ یثرب" ہے۔ چند شعر ملاحظہ ہوں :

دنیا میں کیا ہے دولت دنیا تمہی تو ہو
عقبیٰ میں اپنا مایہ تمنا تمہی تو ہو
یہ گل یہ لالہ زار تمہارے لئے کھلے
جان فضائے وادی و صحرا تمہی تو ہو
اس زندگی میں جان تمہارے قدم سے ہے
ہستی کی شمع انجمن آرا تمہی تو ہو
ظلمات کفر کی شب یلدا کو چیر کر
ظاہر ہوئی جو صبح دل آرا تمہی تو ہو
پھر جی اٹھے گا نعرہ توحید سے جہاں
اے روح زندگی دم عیسیٰ تمہی تو ہو
مسلم ہوئے ہیں جس سے سرافراز و سربلند
اے دو جہاں کی نعمت عظمیٰ تمہی تو ہو

محترمہ کے مجموعہ کلام میں ماہ یثرب کے عنوان سے تین نعتیہ نظمیں موجود ہیں۔ مسدس کے پیرائے میں لکھی ہوئی ایک نعتیہ نظم میں انہوں نے بعثت نبی اکرم صلی اللہ علیہ

وسلم سے قبل دنیا کی عام حالت کا ذکر کیا ہے اور انسان کی پستی و ذلت کا نقشہ کھینچتے ہوئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیا میں آمد اور ان کی عظمت کو بیان کیا ہے۔ مثلاً ملاحظہ ہوں یہ بند :

جہاں کرب و بلا رنج و محن کا ایک دفتر تھا
تڑپ تھی کسمپرسی تھی بپا فتنہ تھا محشر تھا
جو بیکس تھا ستم کش تھا جو ظالم تھا ستمگر تھا
یہ حالت دیکھ کر اس نور کو آرام دوبھر تھا
یہی چاہا کہ ہو جائے عیاں آہستہ آہستہ
ضیا اندوز ہو بزم جہاں آہستہ آہستہ
اندھیرا چھا رہا تھا کفر کی اٹھتی گھٹاؤں سے
چمن مرجھا چکے تھے شرک آلودہ ہواؤں سے
زمانہ رنج سہتا تھا گناہوں کی بلاؤں سے
نکل کر ناگہاں فردوس کی شیریں فضاؤں سے
چلا دنیا کو نور بیکراں آہستہ آہستہ
صبا جیسے چمن کو ہو رواں آہستہ آہستہ
یہاں پہنچا تو دیکھا ظلمتوں نے شب کو گھیرا ہے
نہاں امواج طوفاں خیز میں انساں کا بیڑا ہے
بپا ماتم ہے درد و کرب ہے اک شور برپا ہے
چھپا ہے ناخدا سیلاب سے کشتی شکستہ ہے
لگا پڑھنے وہ کچھ جادو بیاں آہستہ آہستہ
سکوں میں آ گیا بحر تپاں آہستہ آہستہ

۹ بندوں پر مشتمل اس نظم میں شاعرہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اقدس

کے سیاسی و انقلابی پہلوؤں کو بڑے خوبصورت انداز میں بیان کیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ شاعرہ نے آپ کے اوصاف کریمانہ کا ذکر بھی نہایت عمدگی سے کیا ہے۔ مثلاً نظم کا یہ بند ملاحظہ ہو :

زمانے بھر کی راحت کے لئے تھا وقف کام اس کا
چمن میں ابر رحمت کی طرح تھا فیض عام اس کا
بسان مہر انور رہ گیا خوبی میں نام اس کا
زباں پر شکریہ ہے اور دلوں میں احترام اس کا
کیا ہے نور یزداں کو عیاں آہستہ آہستہ
منور ہو گیا سارا جہاں آہستہ آہستہ

مولانا ظفر علی خان کے نعتیہ کلام میں زیادہ تر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے مضامین ملتے ہیں۔ وہ نعت کو صرف جذباتی وابستگی اور عرض تمنا کا ذریعہ نہیں سمجھتے بلکہ اس کے مقاصد کو مد نظر رکھتے ہیں اور مفہوم کے اعتبار سے اس کی صحیح ترجمانی کرتے ہوئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ کو اپنے خاص رنگ میں بیان کرتے ہیں۔ ان کی بہن محترمہ ح۔ب کے نعتیہ کلام کی بھی یہی خصوصیت ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت بیان کرتے ہوئے اپنے جذبات کو قابو میں رکھتی ہیں اور نہایت سنجیدگی اور ہوشمندی کے ساتھ بارگاہ رسالتماب میں لب کشا ہوتی ہیں :

جب حرا کے غار سے چہرہ دکھایا آپ نے
نور وحدت سے جہاں کو جگمگایا آپ نے
چپکے چپکے بت پرستی کو مٹایا آپ نے
رفتہ رفتہ حق پرستی کو بڑھایا آپ نے
کر دیا شمع حقیقت کا اجالا چارسو
مہر عالم تاب کو نیچا دکھایا آپ نے

آدمیت پر بھی کتنا آپ کا احسان ہے
نوع انساں کو غلامی سے چھڑایا آپ نے
جھیل کر سو سختیاں سہ کر ہزاروں کلفتیں
صبر و استقلال کا نقشہ جمایا آپ نے

گنبد گردوں کرے گا خاک اس کی ہمسری
جس کا تکیہ اے شہ یثرب ترا در ہو گیا
کفر کی تاریکیوں کو دور یکسر کر دیا
رشک مہر و مہ ترا روئے منور ہو گیا
اپنے ہاتھوں ہی سے اس نے اپنی قسمت پھوڑ لی
تیرا دشمن اے نبی جو کینہ پرور ہو گیا

گیا تو پر تری آمد کی تابانی نہیں جاتی
یہ کیسا نور اس دنیا کے کاشانے میں آیا تھا
بنایا شرک کے صحرا کو۔ تو نے گلشن وحدت
تو ابر نور بہاری بن کے ویرانے میں آیا تھا
گرے بت منہ کے بل ایسے نہ اٹھیں گے قیامت تک
الٰہی بت شکن کیسا صنم خانے میں آیا تھا

حمیدہ بیگم کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت و عقیدت اور والہانہ لگاؤ ہے اور ان کا یہ لگاؤ اور آپ کی ذات گرامی سے بے حد محبت ان کے دل کی گہرائیوں میں روشنی کا سامان فراہم کرتی ہے :

ہو گیا سینہ مرا داغ دروں سے لالہ زار

دل مرا عشق محمد سے منور ہو گیا

شاعرہ کو مسلمانوں اور ہندوستان کی سیاسی و مذہبی ابتری نے پریشان کر رکھا ہے :

بجھ گئی شمع خلافت سرد ہے بازار دیں
مسلم پروانہ خو کا حال ابتر ہو گیا

لیکن وہ مایوس بھی نہیں۔ ان کو احساس ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، جن کی ذات ساری انسانیت کے لئے باعث فوز و فلاح ہے' ان کی حمایت اور رحمت سے امت کے تمام مصائب کا مداوا ہو جائے گا :

مت پریشاں حال ہو اے امت خیرالبشر
جب ترا حامی وہ وہ بے ہمتا پیمبر ہو گیا

حیا' سکندر بانو حیا بریلوی

سکندر بانو نام اور حیا تخلص ہے۔ بریلی ہندوستان میں سید گھرانے میں پیدا ہوئیں۔ بچپن ہی میں سایہ پدری سے محروم ہونے کے باعث ننھیال میں پرورش پائی۔ ان کے نانا سید کاظم علی مرحوم قائد اعظم کے ساتھی تھے اور شعر گوئی کا بھی اچھا ذوق رکھتے تھے' لہٰذا حیا نے اس ادبی ماحول میں پرورش پائی۔ مذہبی کتابوں کا مطالعہ کیا اور اس کے ساتھ ساتھ شعر و ادب سے بھی دلچسپی پیدا ہوئی۔ اردو فارسی اور مذہبی تعلیم انہوں نے گھر پر حاصل کی۔ مذہبی تعلیم کی وجہ سے نعت گوئی کی طرف رجحان پیدا ہوا چنانچہ ان کی شاعری کی ابتداء نعت ہی سے ہوئی۔ حیا نے زیادہ تر نعتیں لکھی ہیں لیکن غزلیں بھی متعدد کہیں۔ سلطانہ مہر "آج کی شاعرات" میں لکھتی ہیں کہ "اب بھی نعتیہ محفلوں میں بصد شوق شریک ہوتی ہیں اور اعزازی طور پر میلاد خوانی میں شرکت کو باعث عزت تصور کرتی ہیں"۔

حیا کا نعتیہ کلام شاید طبع نہیں ہوا' اور اگر ہوا ہے تو میری نظر سے نہیں گزرا۔ سلطانہ مہر نے ان کی چند نعتوں سے منتخب شعر نقل کئے ہیں جو یہاں درج کئے جاتے ہیں :

راز سب کر دیئے احمد پہ عیاں خالق نے
دونوں عالم ہوئے خوش کام نظر آج کی رات
کیسی معراج کی شب آئی مبارک دیکھو
کیوں نہ نورانی ہو اس شب کی سحر آج کی رات

اتنی مشتاق ہوں میلاد نبی کی دیکھو
پڑھنے مولود نبی آخر دم تک پہنچی
کھڑے ہیں سبھی انبیاء سر جھکائے
وہ نبیوں کے بن کر امام آ رہے ہیں

خورشید آرا بیگم

تذکرہ شاعرات اردو (۱۹۴۴ء) تذکرہ شاعرات پاکستان (۱۹۶۱ء) اور آج کی شاعرات (۱۹۷۳ء) میں خورشید آرا کا ذکر تفصیل سے ملتا ہے۔ خورشید آرا بیگم اردو کے علاوہ فارسی کی بھی قابل قدر شاعرہ ہیں۔ امراوتی (برار) میں پیدا ہوئیں۔ ان کے والد کا اسم گرامی قاضی محمد قیام الدین تھا۔ خورشید نے سکول سے یونیورسٹی تک تعلیم حاصل کی۔ انہوں نے اگرچہ اردو فارسی اور عربی اپنے والد مرحوم سے پڑھیں لیکن باقاعدہ امتحانات کے تحت اردو اور فارسی میں پنجاب یونیورسٹی سے آنرز کیا۔ ۱۹۲۷ء میں ان کی شادی سی۔ پی کے مشہور نواب صدیق علی خان سے ہوئی۔ شادی کے دو تین سال بعد ۱۹۳۰ء میں انہوں نے امراوتی میں انجمن مسلم خواتین کی بنیاد رکھی۔ بعد میں ویمن کالج ناگپور میں فارسی کی پروفیسری کے فرائض سرانجام دیئے۔ خورشید آرا بیگم انجمن کی سرگرم رکن اور سربراہ تھیں۔ اس انجمن کے تحت انہوں نے گرلز سکول قائم کئے۔ ہندو گرلز ہائی سکول میں مسلمان لڑکیوں کے لئے علیحدہ کلاسز کا انتظام کروایا۔ خورشید آرا بیگم ناگپور یونیورسٹی اور دوسرے تعلیمی و ادبی اداروں اور انجمنوں سے لے کر آل انڈیا مسلم لیگ کی ویمن سب کمیٹی تک ہر جگہ سرگرم عمل رہیں۔ ان کے شوہر نواب صدیق علی خان صوبہ کے ممتاز رہنما، آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کے رکن اور آل انڈیا مسلم نیشنل گارڈ کے سپہ سالار اعلی تھے۔ قیام پاکستان کے بعد جب قائداعظم نے نواب صاحب کو کراچی طلب کیا تو خورشید بھی پروفیسری سے مستعفی ہو کر ان کے ہمراہ کراچی آ گئیں۔ نواب صدیق علی خان وزیراعظم لیاقت علی خان کے پولیٹیکل سیکرٹری متعین ہوئے تو خورشید بھی سیاسی اور قومی کاموں میں اپنے شوہر کا ہاتھ بٹاتی رہیں۔ علاوہ ازیں یہاں کی ادبی مجالس میں بھی پورے جوش و خروش کے ساتھ شریک ہوتی تھیں۔ لیاقت علی خان کی شہادت کے بعد نواب صاحب جنوبی افریقہ، سیلون اور سوڈان میں جب

پاکستان کے ہائی کمشنر رہے تو خورشید بھی ان کے ساتھ رہیں اور متذکرہ ممالک میں پاکستانی خواتین کی ترجمانی کرتی رہیں۔ ۱۹۶۱ء میں انہوں نے کراچی میں خورشید گرلز کالج قائم کیا جسے بعد میں حکومت نے اپنی تحویل میں لے لیا۔

خورشید آرا بیگم کا اردو کلام زیادہ تر تہذیب نسواں، عصمت، نور جہاں، زیب النساء وغیرہ میں شائع ہوتا رہا اور فارسی کلام مدینہ (بجنور) اور زمیندار (لاہور) کی زینت بنتا رہا۔ اردو مجموعہ کلام "شعاع خورشید" عصمت بکڈپو لکھنؤ سے شائع ہو چکا ہے۔ فارسی کلام تقریباً ڈیڑھ سو نظموں سے بھی زیادہ ہے جو غالباً اب تک شائع نہیں ہوا۔

خورشید بیگم کا شعری ذوق بہت بلند ہے۔ ان کے کلام میں نظموں کی تعداد غزلوں سے زیادہ ہے جو ان کے قومی و ملی جذبات کی شاندار عکاسی کرتی ہیں، تاہم بعض غزلوں میں بھی ان کی قومی و ملی جذبات کی جھلک نظر آتی ہے۔ معتبر تذکرہ نگاروں نے ان کے شعری و ادبی مقام کا تعین کیا ہے۔ چنانچہ جمیل احمد بریلوی لکھتے ہیں :

"آپ ملک کی ایک مسلم الثبوت اور قادر الکلام شاعرہ ہیں۔ آپ کا شمار گنتی کی ان چند خواتین میں ہے، جن کی شاعرانہ قابلیت ہندوستانی خواتین کے لئے باعث فخر کہی جا سکتی ہے--- آپ کے خیالات نہایت بلیغ، سنجیدہ اور پروقار ہوتے ہیں۔ طرز ادا نہایت پختہ اور استادانہ ہے--- جذبات نگاری پر آپ کو بڑی قدرت حاصل ہے"۔ (تذکرہ شاعرات پاکستان، ص ۳۹۰)

خورشید آرا بیگم کی پوری زندگی مسلمان خواتین کی اصلاح و ترقی اور تحریک آزادی سے وابستہ رہی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری میں مذہبی و ملی جذبات اور قومی درد کی جھلکیاں نظر آتی ہیں۔ قومی اور مذہبی خیالات نے ان کو صحیح اسلامی جذبات کی طرف راغب کیا، جس کے نتیجے میں نعت گوئی سے ان کی دلچسپی قائم ہوئی۔ ان کی نعتیہ شاعری وارفتگی و بیخودی اور لذت حضوری کی کیفیات سے مملو ہے۔ طویل بحر میں ۱۹ اشعار پر مشتمل ان کی ایک نعت نورد حضور و سرور کا سامان فراہم کرتی ہے۔ چند شعر دیکھئے :

وہ صبح مدینہ وہ شام مدینہ معطر معطر ہوائے مدینہ
سنہری سنہری حجابوں میں رحمت مقدس مقدس فضائے مدینہ
در و بام اقدس پہ نظروں کے سجدے زباں پر وہ صلی علی کے ترانے
درود مدینہ سلام مدینہ لب و قلب مدحت سرائے مدینہ
شب قدر کی برکتیں رات لائی سعادت حضوری کی سجدوں نے پائی
عجب بیخودی سے عجب کیف و لذت یہ وارفتگی ہے عطائے مدینہ
شب و روز یادوں کو دیتے ہیں دستک دل و گوش جن سے ہیں مسحور اب تک
اذان مدینہ صلوٰۃ مدینہ سجود مدینہ دعائے مدینہ
یہی دل کی دھڑکن یہی آرزوئیں نمازوں میں شام و سحر یہ دعائیں
کہ پھر آپ کے در پہ سر کو جھکائے ہو خورشید کی جاں فدائے مدینہ

"سنہری سنہری حجابوں میں رحمت" اور "در و بام اقدس پہ نظروں کے سجدے" اردو میں خورشید کے ہاں ایک نئی چاشنی پیدا کر رہے ہیں۔

خورشید آرا بیگم کی ایک نعتیہ نظم میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل کے گمراہ کن حالات کی عکاسی کی گئی ہے، مثلاً یہ چند شعر:

زندگی الجھی ہوئی تھی کفر کے زنار میں
بت پرستی ہو رہی تھی خانہ غفار میں
خطہ پاک عرب معمورہ الحاد تھا
شرک کے شعلے خلیل اللہ کے گلزار میں
چاند تاروں کی پرستش اہل یوناں کا شعار
دیوتاؤں کی خدائی ہند میں تاتار میں
فرقہ نسواں پہ ظلم و جور معمول حیات
ذلت و توہین اس کی قسمت لاچار میں

دفن زندہ بیٹیوں کو کر دیا خود باپ نے
خاندانی شان و عزت تا بڑھے ابرار میں
کبر و نخوت قتل و غارت بغض و کینہ، انتقام
الغرض انسان تھا انسانیت پر اتہام

لیکن پیغمبر آخرالزماں کی بعثت سے جو انقلاب وجود میں آیا، اس نے ہر قسم کی برائی کا قلع قمع کر دیا۔ انسانیت کو از سر نو زندہ کیا گیا۔ غرباء و مساکین اور کمزوروں کے ناتواں اجسام میں ایمان کی روح پھونک کر قوت حیات و آخرت بخشی۔ عورت نے عظمت و سربلندی پائی اور دختر کشی کا سد باب کیا گیا۔ بت پرستی کی بجائے بت شکنی کا علم بلند ہوا اور خدائے واحد کی عبودیت کا سکہ رائج ہوا۔ خورشید نے بڑی خوبصورتی کے ساتھ اس دلکش انقلاب کا ذکر کیا ہے۔ یہ چند شعر ملاحظہ ہوں:

ناگہاں آیا جہاں میں ایک دلکش انقلاب
مٹ گئے نقش و نگار کفر مانند حباب
کوہ فاراں سے ہوا مہر رسالت جلوہ گر
ذرہ ذرہ بن گیا بطحا کا رشک آفتاب
باغ ابراہیم میں پھر کھل اٹھے وحدت کے پھول
عظمت انساں پہ آیا حسن نو لیکر شباب
جور و استبداد کی بستی اجڑ کر رہ گئی
حکم خالق سے ہوا دختر کشی کا سد باب

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان ہوتی ہیں اور آخر میں سلام و درود بھیجتے ہوئے اپنے فرض کی ادائی کرتی ہیں:

مرحبا ختم الرسل ہادی کل پیدا ہوئے
رحمتہ للعالمیں، امی لقب، مکی خطاب

چارہ ساز دردمنداں، دستگیر بیکساں
باعث تخلیق عالم صاحب ام الکتاب
السلام اے روز محشر عاصیوں کے دستگیر
الصلاۃ اے جس نے بخشے دشمنوں کے بھی قصور
السلام اے جس نے دنیا کو دیا پیغام امن
الصلاۃ اے جس نے بخشا زندگانی کا شعور

روحی علی اصغر

تراب النساء بیگم نام، روحی تخلص ہے۔ ۱۹۱۳ء میں حیدر آباد میں پیدا ہوئیں۔ ان کا سلسلہ نسب ددھیال سے شاہ ابراہیم مصطفیٰ الحسینی سے (جو شاہ بندہ نواز کے ماموں تھے) اور ننھیال کی طرف سے ٹیپو سلطان سے ملتا ہے۔ ان کے شوہر کا نام سید علی اصغر ہے۔

سلیمان اریب نے "حیدر آباد کے شاعر" جلد دوم میں ان کا ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں، "روحی کی ابتدائی تعلیم حیدر آباد کے قدیم گھرانوں کے رواج کے مطابق پہلے گھر پر پھر اسکول میں ہوئی۔ وہ اردو فارسی کے علاوہ بہت اچھی انگریزی لکھ اور بول لیتی ہیں------روحی ایک نیک دل، شائستہ، متواضع اور منکسرالمزاج خاتون ہیں۔ ان کی شاعری ان کے پاکیزہ جذبات و خیالات کی آئینہ دار ہے۔ روحی غزلیں بھی کہتی ہیں اور نظمیں بھی لکھتی ہیں۔ حال ہی میں ان کے کلام کا مجموعہ "نیرنگ نظر" شائع ہو چکا ہے"۔

سلیمان اریب کی تالیف "حیدر آباد کے شاعر" جلد دوم (۱۹۶۲ء) میں حیدر آباد (دکن) سے شائع ہوئی۔ اس کے بعد کے حالات دستیاب نہ ہو سکے (غالباً ۱۹۸۶ء یا اس کے بعد کسی شمارے میں ان کے انتقال پر ماہنامہ سب رس میں ایک شذرہ شائع ہوا تھا، جس میں ان کی تصنیفات کی تفصیل اور ان کے بارے میں مختصر ذکر تھا)۔ ان کی ایک نعت ممتاز حسن نے "خیر البشر کے حضور میں" اور شفیق بریلوی نے "ارمغان نعت" میں درج کی ہے۔ چند شعر ملاحظہ ہوں :

کچھ ابتدا ہی نہیں انتہا بھی نازاں ہے
بنا کے نقش رسالت خدا بھی نازاں ہے
وہ آیا سب کے لئے رحمت خدا بن کر
تمام عالم ہستی کا رہنما بن کر

مٹانے کفر کو توحید کا پیام آیا
جہان نو کے لئے اک نیا نظام آیا
رسول حق سے نئے دور کا ہوا آغاز
نوائے وقت بنی انقلاب کی آواز
مچی ہے دھوم کہ حق کا امین آیا ہے
وہ اپنے ساتھ خدا کی کتاب لایا ہے
عطا ہوا تھا محمد کو علم قرآنی
عمل سے ہو گئی معراج فکر انسانی
یہ نازش بنی آدم ہیں ناز آدم بھی
یہ انبیاء کے ہیں رہبر بھی اور خاتم بھی

زاہدہ خاتون شروانیہ (ز۔خ۔ش)

ہندوستان کی یہ جلیل القدر مگر کم عمر شاعرہ، جس نے اپنی گمنامی کی زندگی میں بھی شاعرانہ اور ادبی شہرت حاصل کی اور دنیائے ادب کو کم عمری ہی میں اپنی علمی و ادبی قابلیت سے چونکا دیا، دسمبر ۱۸۹۴ء میں اپنے والد ماجد نواب سر مزمل اللہ خان شروانی مرحوم کی قدیم سکونت گاہ بھیکم پور ضلع علیگڑھ میں پیدا ہوئیں اور بھیکم پور سے چھ فرلانگ پر واقع جدید فرودگاہ "ظفر منزل" میں پرورش پائی۔ نواب مزمل اللہ خان خود بھی ایک نغز گو شاعر تھے۔ اردو میں داغ دہلوی اور فارسی میں ایرانی شاعر سنجر طہرانی (۷) سے تلمذ تھا۔ ان کا مجموعہ کلام "درج لولوئے فصاحت" نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب اللہ خان شروانی کی نگرانی میں حاجی محمد مقتدیٰ شروانی نے بڑے اہتمام سے شائع کیا تھا۔ نواب موصوف مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر اور ریکٹر بھی رہے۔ ان کی فیاضی اور سخاوت سے بے شمار علمی و ادبی ادارے فیض یاب ہوئے۔ علاوہ ازیں علیگڑھ ڈسٹرکٹ بورڈ کے صدر بھی تھے اور اسے مالی امداد بھی دیتے تھے۔ علیگڑھ کی متعدد سڑکیں ان کی امداد سے تعمیر ہوئیں۔ ۱۹۳۸ء میں انتقال کیا۔

زاہدہ خاتون ابھی چار پانچ برس ہی کی تھیں کہ شفقت مادری سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو گئیں چنانچہ ان کی تعلیم و تربیت ان کے باپ نواب مزمل اللہ خان شروانی نے اپنے خاص حسن ذوق اور سلیقے سے کی۔ پھر ایک وقت آیا کہ زاہدہ خاتون نے نیک اطوار اور اعلیٰ علمی و ادبی افکار سے اہل علم و ادب کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا۔ لسان العصر حضرت اکبر الہ آبادی نے جب ان کے کلام کو مختلف اخبارات و رسائل میں دیکھا تو ان کو شک گزرا کہ شاید یہ کسی مرد کے علوئے فکر کا نتیجہ ہے اور اس شک کا اظہار ایک خط کے ذریعے کیا لیکن بعد میں خواجہ بانو اہلیہ خواجہ حسن نظامی کے توسط سے یہ شک دور ہوا۔ شاعر مشرق حضرت علامہ اقبال کی دور رس نگاہ نے بھی دیکھ لیا تھا کہ زاہدہ خاتون کے کلام میں اس کم عمری میں بھی وہ

پختگی اور اعلی فکری رویہ موجود ہے۔ جس سے ایک بڑے شاعر کے ہاں عمدہ تخلیق اور بلند پایہ
افکار کا ظہور ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت علامہ نے ایک موقع پر ان کے بارے میں فرمایا تھا کہ
"زاہدہ خاتون شروانیہ جب میری عمر کو پہنچیں گی تو ان کا شمار ہندوستان کے چوٹی کے شاعروں
میں ہوگا" (۸) لیکن افسوس کہ عمر نے وفا نہ کی اور زاہدہ ،عمر ۲۸ سال عالم دوشیزگی ہی میں ۴
فروری ۱۹۲۲ء کو انتقال کر گئیں۔

زاہدہ ایک درد مند اور حساس دل رکھتی تھیں۔ جوان بھائی کی موت اور دیگر خانگی
سانحات نے ان کو بے حد سنجیدہ اور رنج و غم کا عادی بنا دیا تھا۔ دوسری طرف ان کے دل
میں قومی، مذہبی اور طبقہ نسواں کا درد بھی بدرجہ اتم موجود تھا۔ ان کی سیرت نگار محترمہ انیسہ
ہارون شروانیہ نے "حیات ز-خ-ش" میں اس پہلو پر خاصی تفصیل سے لکھا ہے اور ان کی
ذاتی ڈائری سے ان کے تحریر کردہ کئی واقعات کو شہادت کے طور پر پیش کیا ہے۔ خود ان کا
کلام بھی ان کے اس پہلو کا آئینہ دار ہے۔ اس حساس دل اور جواں فکر شاعرہ کو وقت نے
ان اسباب کے باعث عالم دوشیزگی میں صرف اٹھائیس سال کی عمر میں دامن خاک میں ابدی
نیند سلا دیا اور وہ پختگی فکر اور بلند خیالات جو شعراء کو وسیع تجربات کے بعد عالم ضعیفی میں بھی
کم نصیب ہوتے ہیں، اس خاراگداز شاعرہ کے حساس دل و دماغ نے پردہ قرطاس پر منتقل کیے
اور بلند پایہ مجموعہ کلام "فردوس تخیل" کی صورت میں جلوہ گر ہوئے۔

زاہدہ صاحب علم و فضل، نہایت متشرع، عبادت گزار، نیک سیرت اور پردہ نشین خاتون
تھیں۔ ناجیہ اکرم شروانیہ لکھتی ہیں کہ "ساری عمر انہوں نے گھر سے باہر قدم نہیں رکھا۔
خاندانی رواج کے مطابق نہ کسی علمی مباحثہ میں شریک ہوئیں اور نہ کسی جلسہ میں شرکت کر
سکیں" البتہ فاطمہ بیگم نے زنانہ کانفرنس منعقدہ علیگڑھ میں ان کی شرکت کی شہادت دی
ہے (اس کا ذکر پچھلے صفحات میں انیسہ ہارون شروانیہ کے تذکرے میں آچکا ہے) اس کے
باوجود وہ ہر قسم کے ملکی حالات اور سیاست عالم سے باخبر رہتی تھیں۔ اس تناظر میں ان کے
کلام کی وقعت بے حد بڑھ جاتی ہے۔

ان کے کلام میں قومی، ملی، مذہبی اور سیاسی مضامین بڑے عمدہ پیرائے میں رقم ہوئے
ہیں۔ انہوں نے تقریباً ہر موضوع پر خامہ فرسائی کی ہے۔ لہٰذا ایک خاتون ہونے کے ناتے
سے خواتین کی مذہبی سماجی اور تمدنی اصلاح کے لئے بھی انہوں نے قلم اٹھایا ہے۔ اس سلسلے
میں ان کی ایک نظم "آئینہ حرم" میں جاہل خواتین کی پسماندہ زندگی کا رونا روتے ہوئے
عورتوں کی تعلیم پر زور دیا ہے۔ اس نظم کے ہر بند سے خواتین کی ناخواندہ زندگی اور اس کے
باعث پیدا ہونے والے تکلیف دہ اسباب پر ان کا دل کڑھتا ہے۔ یہ نظم پہلے چند اور نظموں
کے ساتھ آئینہ حرم ہی کے نام سے ۱۹۲۱ء اور پھر ۱۹۲۷ء میں دارالاشاعت پنجاب لاہور سے
شائع ہوئی تھی۔ ان کی وفات کے انیس سال بعد ۱۹۴۱ء میں ان کا ضخیم مجموعہ کلام "فردوس
تخیل" دارالاشاعت پنجاب نے شائع کیا تو آئینہ حرم کی نظمیں اس میں شامل کر دی گئیں،
تاہم یہ مجموعہ انہوں نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں ترتیب دے لیا تھا۔

فردوس تخیل کا دیباچہ زاہدہ خاتون کی پھوپھی زاد بہن انیسہ ہارون شروانیہ نے تحریر کیا
ہے، البتہ یہ امر باعث حیرت ہے کہ یہ دیباچہ فردوس تخیل کے چند ایک نسخوں کے سوا بقیہ
نسخوں میں شامل اشاعت نہیں ہوا۔ دیباچے کے آغاز میں محترمہ انیسہ ہارون شروانیہ لکھتی
ہیں کہ :

"سرزمین ہند کی نامور شاعرہ زاہدہ خاتون شروانیہ نزہت مرحومہ کا انیسویں صدی (کتابت کی
غلطی۔ بیسویں صدی ہونا چاہئے تھا) کی ابتداء میں تمام دنیا خصوصاً ہندوستان کے گوشہ گوشہ
میں تعارف ہو چکا ہے۔ یہی وہ خاتون تھیں، جن کی نظم و نثر اور غیر معمولی قابلیت نے دنیائے
ادب میں تہلکہ ڈال دیا تھا، لیکن باوجود اس کے کمال یہ تھا کہ ان کا نام اور شخصیت زندگی بھر
پردہ راز میں رہی"

انیسہ ہارون شروانیہ نے زاہدہ خاتون کے ایک اخلاقی غزلیات کے ردیف وار دیوان کا
بھی ذکر کیا ہے۔ ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہانپوری کے تذکرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دیوان شائع
ہو چکا ہے۔ لیکن یہ محض ان کا قیاس ہے، خود ان کی پھوپھی زاد بہن اور سیرت نگار انیسہ نے

بھی ان کے دیوان کی طباعت سے لاعلمی کا اظہار کیا ہے' البتہ اس کا مسودہ انہوں نے دیکھا تھا مگر شاعرہ کی وفات کے بعد اس کی بازیافت نہ ہو سکی۔ زاہدہ نے ایک تاریخی ناول ''اسلامی معاشرت اندلس میں'' تحریر کیا تھا' جو ۱۹۲۰ء میں مطبع ملیگڑھ کالج سے شائع ہوا تھا۔ اس کا ایک نسخہ پنجاب پبلک لائبریری لاہور میں موجود ہے۔

زاہدہ کی علمی و ادبی خدمات اور ان کی شاعری پر تبصرے کی یہاں گنجائش نہیں لہٰذا اس سے قطع نظر ان کی نعت گوئی کا مختصر جائزہ لیا جاتا ہے۔

زاہدہ کے مجموعہ کلام فردوس تخیل میں جن عنوانات کے تحت نعتیہ مضامین رقم ہوئے ہیں' ان میں رسول' دیار حبیب' ہم تین ہیں' بی بی آمنہ کا بستر مرگ' دیار حبیب' محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم' یا رسول' شیون محمدیہ' ذکر حبیب اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم خاصی اہمیت کی حامل ہیں۔ آخر الذکر تین نظمیں فارسی میں ہیں۔ زاہدہ کو اردو کے علاوہ فارسی اور عربی پر بھی بے حد دسترس حاصل ہے۔ اگرچہ اس نے باقاعدہ عربی میں کوئی نعت نہیں لکھی تاہم عربی محاورات و الفاظ کا استعمال اس کی عربی دانی کی دلالت کرتے ہیں۔ بعض جگہ قرآنی آیات کو بڑی چابکدستی اور خوبصورتی سے برتا ہے۔ یہ حیرت انگیز امر ہے کہ اس قدر چھوٹی عمر میں اس کی علمی استعداد' زور بیان اور قوت کلام کسی بھی بلند مرتبت شاعر سے کسی طور کم نہیں۔

زاہدہ خاتون واحد نعت گو شاعرہ ہے جس کے ہاں جذبے کی شدت کے ساتھ ساتھ کلام میں بے حد پختگی اور علمی بصیرت موجود ہے۔ اس کی نعتیہ نظموں میں وہ عامیانہ پن نہیں جو دوسری شاعرات بلکہ اکثر نعت گو شعراء کے کلام میں نظر آتا ہے۔ زاہدہ کے کلام میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت و عقیدت کا والہانہ اظہار پایا جاتا ہے۔ اگرچہ طبیعت میں وہی سوز و گداز اور دلی کیفیات موجود ہیں جو ایک نعت گو کے لئے ضروری ہے مگر اس کے ہاں اظہار کے ایک خاص سلیقے اور بیان کی سحر انگیزی نے اس کے کلام کو جو ندرت عطا کی ہے' وہ بہت کم نعت گو شعرا کے حصے میں آئی ہے۔ کلام پر مکمل گرفت اور فنی چابکدستی خصوصا

الفاظ کی نشست و برخاست' تشبیہ و استعارہ کی جدت' مضامین کی تازگی اور خیال آفرینی' عربی و فارسی الفاظ کا شاندار استعمال' یہ سب کچھ ہونے کے ساتھ ساتھ شعری چاشنی اور جذبات کی ہم آہنگی' یہی وہ سب خصوصیات ہیں' جو اسے نعت گو شاعرات میں ممتاز کرتی ہیں۔

ایک نئے موضوع پر قلم اٹھانا جب کہ بیان کے اسی قدیم اور مخصوص دائرہ میں رہ کر اظہار خیال کیا جائے' نہایت مشکل امر ہے۔ زاہدہ کے ہاں وہی قدیم اسلوب ہے جو اس کے عہد کی جدت ہے مگر اب روایت کی حیثیت اختیار کر گیا ہے۔ یہ روایتی اسلوب زاہدہ کے انداز بیان کی جدت اور اظہار کے قدیم پیرائے میں جدید خیالات اور اچھوتے موضوعات کے باعث آج بھی اسے جدید نعت گو شعراء میں امتیازی حیثیت دیتا ہے۔۔ اس اعتبار سے اگر اس کی اس نظم کا مطالعہ کیا جائے' جس میں حضرت بی بی آمنہ رضی اللہ عنہا کی اس وقت کی دلی کیفیات کو پیش کیا گیا ہے' جب ان کا لخت جگر صرف چھ سال کا ہے' باپ کا سایہ پہلے ہی سر سے اٹھ چکا ہے اور ماں بھی دم واپسیں کی حالت میں ہے' اس صورت کے پیش نظر ماں کا اس در یتیم کے لئے جذباتی اور درد انگیز کیفیت سے دوچار ہونا اور ماں کا اس ننھی جان کے لئے بے پناہ محبت اور اس کے دل میں پیدا ہونے والے فطری خدشات کا اظہار' یقیناً ایک ایسا موضوع ہے' جس پر اس سے پہلے کسی نعت گو نے قلم نہیں اٹھایا۔ اس نظم کا عنوان ''بی بی آمنہ کا بستر مرگ'' ہے۔ ایک ایسے مقدس اور اندوہناک موضوع کو نظم کے لئے منتخب کرنا اور پھر اس پر شاعرانہ تخیل سے نکتہ آفرینی ایک بلند فکر شاعرہ ہی کا کمال ہے۔ اس نئے اور اچھوتے موضوع پر قلم اٹھاتے ہوئے بی بی آمنہ کے آخری لمحات کی کیفیت کو اس انداز میں پیش کیا گیا ہے :

یہ آج جسم میں کیوں روح تلملاتی ہے
یہ دل کی کیوں حرکت سست ہوتی جاتی ہے
رگیں سی کھنچی ہیں رک رک کے سانس آتی ہے

الٰہی خیر زباں بھی تو لڑکھڑاتی ہے
کہیں یہ کشمکش موت و زندگی تو نہیں
وہ وقت جس کا خطر تھا کہیں یہی تو نہیں

نہیں یہ غم کہ جوانی میں پا رہی ہوں وفات
نہ یہ الم کہ ہوا ختم روح و جسم کا ساتھ
ذرا بھی مجھ کو نہیں خوف ہادم اللذات
کہ تلخیٔ غم شوہر سے بے مزہ ہے حیات
خیال ہے تو تو فقط ایک ننھی سی جاں کا
ملال ہے تو فقط ایک یتیم ناداں کا

ضیائے مہر میں جب اس نے آنکھ کھولی آہ
نہ دیکھی والد مشفق کی مہر پاش نگاہ
زمیں پہ جلوہ نما جب ہوا یہ غیرت ماہ
نہاں تھے خاک لحد میں جناب عبداللہ
ہزار حیف کہ منہ اس سے ماں بھی موڑ چلی
ملال و مضطرب اک بے پدر کو چھوڑ چلی

اور اس کے ساتھ ہی ماں کے دل میں بچے کے لئے بے پناہ پیار امڈ آتا ہے۔ جذبہ محبت سے بیتاب ہو کر ماں کی زبان سے جو کلمات ادا ہوتے ہیں، وہ شاعرہ کے زور تخیل اور بیان کو بڑھانے میں تازیانے کا کام دیتے ہیں :

مرا وہ پیارا محمد کہاں ہے لاؤ ذرا
جمال مجھ کو مرے چاند کا دکھاؤ ذرا
کنار شوق میں دل کے قریں بٹھاؤ ذرا
مرے لبوں سے وہ ننھے سے لب ملاؤ ذرا

میں اپنے پیارے کو جی بھر کے پیار تو کرلوں
دم وداع ذرا انتظار تو کر لوں

پھر اگلے بند میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عالم طفلی میں مکارم اخلاق اور حسن سیرت کا بیان ہے۔ بیان کی روانی، سلاست اور اظہار خیال کا خاص سلیقہ ہے، جس سے ان اشعار میں بے حد خوبصورتی پیدا ہو گئی ہے۔ طوالت سے بچتے ہوئے صرف تین بندوں کا نمونہ نذر قارئین ہے :

ابھر ابھر کے یہ کہتی ہے اس کی پیشانی
چمک چمک کے یہ کہتا ہے نور ایمانی
گرے گا اب سر شاہاں سے تاج سلطانی
مٹیں گی دہر سے ظلمات کفر و طغیانی
جلال حسن و جمال صفات ہے اس میں
جو لب پہ آ نہیں سکتی وہ بات ہے اس میں

چلی ہوں چھوڑ کے گدڑی میں گنج ہفت اقلیم
چلی ہوں چھوڑ کے اک لعل ایک در یتیم
نہیں کسی سے کچھ امید ہے تو بیم ہی بیم
کرم کرم مرے معبود میرے رب کریم
ترے کرم سے یہ بچہ اگر جواں ہوگا
یقیں ہے قوت اجسام ناتواں ہوگا

سنی اگرچہ بغور اس نے شرح رنج و ملال
مگر ہوا متزلزل نہ پائے استقلال
یہ چھ برس کا سن اور ضبط نفس میں یہ کمال
بچائیو نظر بد سے ایزد متعال

بسانے جاتی ہے ماں اس کی کنج تربت کو
تجھی کو سونپ چلی ہے تری امانت کو

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اشقیائے مکہ کے ظلم وستم سے تنگ آکر جب مدینے کی طرف ہجرت کر گئے تو کفار مکہ آپ کی تلاش میں آپ کے تعاقب میں نکل کھڑے ہوئے۔ آپ اور آپ کے رفیق خاص حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ راستے میں غار ثور میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔ غار کی تنگی اور وحشت سے حضرت صدیق اکبر کے چہرے پر خوف و اضمحلال کے آثار نظر آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ڈرو مت اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ لہٰذا قرآن حکیم میں اس آیت کریمہ کا نزول ہوتا ہے' **ثانی اثنین اذھما فی الغار اذ قال لصاحبہ لا تحزن ان اللہ معنا۔**

فردوس تخیل میں اس موضوع پر ایک نظم "ہم تین ہیں" میں غار کی تنگ دامانی کا نقشہ کھینچا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا حزن وملال اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حضرت صدیق کی ہمت افزائی کے متعلق **ان االلہ معنا** کی تفسیر کرتے ہوئے شاعرہ نے بڑے موثر پیرائے میں اشعار قلمبند کئے ہیں۔ شروع کے دو بند ملاحظہ ہوں :

یہ غار جس کی تنگی چھکے چھڑا رہی ہے
یہ غار جس کی ظلمت وحشت دلا رہی ہے
یہ غار سانس جس میں گھٹ گھٹ کے آرہی ہے
جس کی عفونت گل بدبو سنگھا رہی ہے
کوس اجل خموشی جس میں بجا رہی ہے
بے عقل ہیں گر اس میں اندوہگین ہیں ہم
اے دوست دو نہیں ہیں واللہ تین ہیں ہم

یہ غار تین دن سے جو مجلس بشر ہے
ہاں یہ قفس یہ مدفن کیڑوں کا مستقر ہے

دھیمی ضیا جو سانپوں کے بل پہ جلوہ گر ہے
کہتی ہے "یاں اقامت انساں کی پر خطر ہے"
محفوظ ہیں مگر ہم خالق پہ گر نظر ہے
سمجھو کہ قصر شہ میں مسکن گزین ہیں ہم
اے دوست دو نہیں ہیں واللہ تین ہیں ہم

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار اقدس میں لب کشائی اور جراءت اظہار انسان کے بس کی بات نہیں کہ یہ وہ مقام ہے کہ :

نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

شاعرہ کو احساس ہے کہ وہ بارگاہ رسالت میں عقیدت کے گہر بکھیر رہی ہے مگر دم بخود ہے کہ ذرے کو پر پرواز کیسے مل گیا :

میں اور بارگاہ رسالت پناہ کی
اے دل کہیں نہ یہ غلطی ہو نگاہ کی

پھر چشم تصور میں اس آستاں کی نور پاشیاں اور جلوہ فروزیاں ہیں، جس کی عظمت اور جاہ وجلال سے عقل انسانی مبہوت ہے :

وہ آستاں سپہر بریں جس کے آگے پست
شرمندہ جس کے نور سے ضو مہر و ماہ کی
وہ آستاں محال جہاں پیر عقل کو
تمیز عبد و مالک و میر و سپاہ کی
وہ آستاں جہاں نگہ پیر چرخ نے
دیکھی سدا برہنہ سری کجکلاہ کی
مانوں یہ کس طرح کہ رسائی ہوئی یہاں
مجھ سی غریق جرم، حریق گناہ کی

اٹھارہ اشعار کی اس نعتیہ غزل میں شاعرہ نے بڑے دلکش اور موثر انداز میں خاتم النبیین کے حضور عقیدت کے پھول بکھیرے ہیں۔ چند شعر دیکھیے :

آئی ترے درود سے آنکھوں میں روشنی
چمکی ترے وجود سے وحدت الہ کی
عاصی کی آس میں تری دل جوئی کی جھلک
زاہد کے ڈر میں شان ترے انتباہ کی
ارشاد جب ہوا کہ طلب کر کچھ اے حبیب
تو نے تڑپ کے بخشش امت کی چاہ کی
تیرے گدا سے حوصلہ ہمسری کرے
کیا شان کیا مجال کسی بادشاہ کی
سرکار مجھ کو گنبد خضری کے متصل
درکار ہے زمین بس اک خوابگاہ کی

صلی اللہ علیہ وسلم کی زمین میں اکثر نعت گو شعرا نے نعتیں لکھی ہیں۔ ان نعتوں کا ایک دلکش انتخاب راز کشمیری مرحوم نے چند سال قبل شائع کیا تھا۔ زاہدہ خاتون نے بھی انیس اشعار پر مشتمل ایک نعت لکھی ہے، جس کی ردیف "محمد صلی اللہ علیہ وسلم" ہے۔ شاعرہ نے قرآن و حدیث سے استفادہ کرتے ہوئے قرآنی آیات اور رسول مقبولؐ کی احادیث کے بعض جملوں کو نعتیہ اشعار میں پرویا ہے۔ چند شعر ملاحظہ ہوں :

واقف رمز مافی العالم عالم علم مالم یعلم
فہم جہاں آرائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم
ذکر ثم دنی فتدلی اور پھر تذکرہ او ادنی
ہے صفت ادنائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم
تاج شہی پر ٹھوکر ماری فرما کر الفقر فخری

واہ رہے استغنائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم
عشق رب نے قول ہے دیکھا اتبعونی یحببکم کا
کیوں نہ ہو وہ شیدائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم
جب سے پڑھی ہے آیت اطہر انا اعطینک الکوثر
ہے ہوس صہبائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم
لب پہ ہے میرے جاری نغمہ مافی قلبی غیر اللہ کا
دل میں ہے میرے جائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

زاہدہ خاتون کے نعتیہ کلام سے یہ جستہ جستہ مثالیں پیش کی گئی ہیں جب کہ ان کا نعتیہ کلام ایک مکمل مجموعے کا متقاضی ہے اور فردوس تخیل میں ان کے دوسرے کلام کے ساتھ شامل اشاعت ہے۔ میرے خیال میں ان کے نعتیہ کلام کو ایک الگ مجموعے کی شکل دی جائے تو سوسوا سو صفحات سے کم نہ ہوگا۔

آخر میں ان کی اس نعت کے چند شعر درج کیے جاتے ہیں جس میں انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور اپنے مصائب اور پریشانیوں کا ذکر کیا ہے :

آئی ہے در پہ ایک طلب گار یا رسول
بس اک نگاہ لطف ہے درکار یا رسول
کر میرے غم پہ درد پہ تکلیف پر نظر
یا خیر خلق! یا شہ ابرار! یا رسول
برسا رہا ہے دل پہ مرے ہر طرف سے آگ
مایوسیوں کا لشکر جرار یا رسول
ڈر ہے کہ گر نہ جائے در قلعہ سکوں
ڈر ہے کہ ہو نہ جاؤں گرفتار یا رسول
سن کر نوید "طالع لی" آئی تیرے پاس

تیری کنیز تیری گنہگار یا رسول
بیخود ہوں محو ہوں متحیر ہوں دنگ ہوں
پیش نظر ہے آپ کا دربار یا رسول
اے جذب دل لپک کے خبر کر حضور کو
گریاں ہے در پہ نزہت خونبار یا رسول

زاہدہ کے فارسی نعتیہ کلام میں شیون محمدیہ، عشق رسول اور ذکر حبیب فارسی نعتیہ شاعری میں قابل قدر اضافہ ہیں۔ ان کو اردو ہی کی طرح اس زبان پر بھی مکمل گرفت حاصل ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ شاعرہ نے عرفی کے نعتیہ قصائد کے زور بیان اور حسن تخیل اور قاآنی شیرازی کے شان و شکوہ الفاظ اور الفاظ کے حسن تکرار سے خوب فائدہ اٹھایا ہے۔ ۴۲ اشعار پر مبنی ایک نعتیہ قصیدہ "ذکر حبیب" میں زاہدہ نے قاآنی ہی کے رنگ میں مدحت طرازی کی ہے اور حق یہ ہے کہ قاآنی کے رنگ کلام کو اپنے اشعار میں سمولیا ہے۔ یہ قصیدہ فارسی کے شاہکار قصیدوں میں رکھا جاسکتا ہے۔

زاہدہ خاتون کا نہ صرف نعتیہ کلام بلکہ ان کی دیگر مذہبی، سیاسی اور معاشرتی نظموں میں جو حسن ابلاغ، شستہ بیانی، خیال آفرینی اور کیف و تاثیر ہے، اس سے اس کا ادبی مقام کسی طور بھی کسی اعلی درجے کے شاعر سے کم نہیں۔ بقول انیسہ ہارون شروانیہ "بیس سال کی اس طویل مدت میں ادبی ہندوستان کے افق پر اللہ اعلم کتنی درخشاں ہستیاں مقبول ہو کر چمکیں اور غروب ہو گئیں لیکن کیف اور تاثیر دونوں بالذات زندہ جاوید چیزیں ہیں، اس لئے یہ ادعا بیجا نہیں کہ ز۔خ۔ش کا کلام اب بھی پہلے کی طرح سلاست اور بلاغت اور کیف و تاثیر کی ممتاز خصوصیات سے لبریز ہے، صرف نگاہ اور دل کی ضرورت ہے"۔

آخر میں اس پہلو کا اظہار بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ زاہدہ خاتون شروانیہ مرحومہ فکری و فنی اعتبار سے عام شعراء و شاعرات ہی میں ممتاز درجہ نہیں رکھتیں، بلکہ اس دور کے نہایت اہم اور خاص شعراء میں بھی امتیازی خصوصیات کی حامل سمجھی جاسکتی ہیں گو کہ اس

دور کے نقادان فن و ادب نے بہت کم ان کی صلاحیتوں کا اعتراف کیا ہے۔ اس کی ایک خاص وجہ یہ بھی کہی جاسکتی ہے کہ شروانی خاندان میں پردے کی سخت پابندی اور خود ان کے والد کی رجعت پسندی نے اس مرحومہ شاعرہ کو بالخصوص ان کی زندگی میں ادبی منظر نامے پر نمایاں ہونے کا موقع نہیں دیا۔ اسی لئے ممتاز ادیب سجاد حیدر یلدرم کو، جو اکثر ان کا ذکر کرتے ہوئے انہیں "عورتوں کا اقبال" کہا کرتے تھے، ان کی وفات پر یہ کہنا پڑا کہ :

"وہ ایک عندلیب تھی، جو قفس میں پیدا ہوئی، قفس ہی میں رہی اور قفس ہی میں دم توڑا۔ اس چند گز نیلگوں آسمان کے سوا جو اس کے صحن خانے پر حسرت بار رہا، اس نے فطرت کی زیبائش، آفریدہ دست انساں کی آرائش نہ دیکھی۔ آفتاب جو دنیا کو زندگی اور حرارت بخشتا ہے، قفس کی تیلیوں سے لپٹے ہوئے کپڑے سے نہ گزر سکا، لیکن خود اس کے قلب منور نے ایک شمع روشن کی، جس نے اسے باہر کے نور سے بے نیاز کر دیا"۔

زہرہ حیدر آبادی

نام زہرہ بیگم اور تخلص زہرہ ہے۔ زہرہ کا ذکر خواتین دکن کی اردو خدمات اور تذکرہ شاعرات اردو میں ملتا ہے۔ بعد کے کسی تذکرے میں ان کے حالات دستیاب نہیں ہوتے۔ ان دونوں تذکروں کے مطابق وہ ڈاکٹر عبدالرب صاحب حید آبادی کی دختر تھیں اور ادبی حلقوں میں بنت عبدالرب کے نام سے معروف تھیں۔ کلام اور مختلف موضوعات پر مضامین اس دور کے اکثر زنانہ رسالوں میں شائع ہوتے تھے۔ انہوں نے کسی مدرسہ میں تعلیم حاصل نہیں کی۔ خانگی تعلیم و مطالعہ کے باعث شعروادب میں استعداد پیدا کی۔ ان کے کلام کو دیکھ کر محسوس ہوتا ہے کہ نعت سے ان کو خاص دلچسپی ہے۔ ایک مختصر نظم میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے حضرت صدیق اکبر کے ایثار اور محبت کا نمونہ پیش کیا ہے :

مشرکوں نے جو کیں گستاخیاں آنحضرت سے
آپ نے ترک وطن کا کیا قصد اکتا کر
وقت دوپہر کا شدت کی تپش گرم ہوا
آپ اس دھوپ میں تنہا گئے صدیق کے گھر
اس قدر ان کو ہوئی اپنی معیت کی خوشی
آنکھ میں آ گئے صدیق کے آنسو بھر کر
اور ادب سے یہ کیا عرض کہ ماں باپ فدا
خدمت پاک میں دو اونٹنیاں ہیں حاضر

اشعار میں کہیں کہیں فنی اسقام ضرور ہیں لیکن شاعرہ کا جذبہ بہرحال صادق ہے۔ ایک نظم میں بارگاہ رسالتماب میں امت مسلمہ کی حالت زار بیان کرتے ہوئے شاعرہ نے وہی انداز اختیار کیا ہے، جو سعدی شیرازی نے بغداد کی تباہی پر اپنے نعتیہ شہر آشوب میں کیا

ہے :

اے محمد گر قیامت می برآری سر ز خاک
سر بروں آرد قیامت درمیان خلق بیں

اور جامی نے بھی کہا تھا :

اے بہ سرا پردہ یثرب بہ خواب
خیز کہ شد مشرق و مغرب خراب

زہرہ کا طرز کلام ملاحظہ ہو :

جاگ او شاہوں کے شاہنشاہ سرتاجوں کے تاج
اٹھ خدا کے واسطے اٹھ پوچھ مسلم کا مزاج
سن خدا کے واسطے سن میری پتا میری لاج
جاگ اور یثرب کی میٹھی نیند کے ماتے کہ آج
لٹ رہا ہے آنکھوں آنکھوں میں تری امت کا راج

تھیں جہاں میں آفتیں جتنی وہ مسلم نے سہیں
جو نہ کہنے کی تھیں باتیں وہ بھی غیروں نے کہیں
بیٹھنے ان کو نہیں ہے ایک چپہ بھر زمیں
سر چھپانے کا ٹھکانا بھی انہیں ملتا نہیں
جن کی ہیبت لے چکی ہے ایک دنیا سے خراج

دور ہے ہم سے عطا ہم پر خفا رب جلیل
ہائے اب اپنے سنبھلنے کی نہیں کوئی سبیل
کام کرنا ہے بہت اور وقت ہے بالکل قلیل
تیرے بچے ہو رہے ہیں سارے عالم میں ذلیل
کیا نہیں اے قبلہ عالم تجھے بچوں کی لاج

سردار بانو الوری

۱۹۴۶ء میں ریاست الور میں پیدا ہوئیں۔ ابتدائی تعلیم کا آغاز گھر کی چار دیواری میں کلام پاک سے ہوا۔ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول حیدر آباد (سندھ) سے انہوں نے ۱۹۶۲ء میں میٹرک پاس کیا۔ ۱۹۶۶ء میں گورنمنٹ کالج حیدر آباد سے بی اے اور پھر بی ایڈ کیا۔ ۱۹۶۸ء میں جامع سندھ سے ایم اے پاس کیا۔

سردار کے والد سید محمود علی اور دادا سید سرفراز علی ریاست الور کی مقتدر شخصیات تھیں۔ ان کا گھرانہ خالصتاً مذہبی اور پرانی روایات کا دلدادہ تھا' جہاں لڑکیوں کا شعر کہنا پسندیدہ نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا تھا۔ سردار نے شاعری کا آغاز کیا تو والدین سے چھپ چھپ کر۔ سب سے پہلے انہوں نے نعت ہی لکھی۔ ان کی بڑی بہن سرتاج نے یہ نعت ان کے والد کو دکھائی تو خلاف توقع حوصلہ افزائی کی گئی' لہٰذا اس قدر افزائی نے ان کے عزم کو مہمیز لگائی اور انہوں نے پورے اعتماد کے ساتھ شعر کہنا شروع کر دیئے۔ ان کی شاعری کا بیشتر حصہ حمد و نعت پر مشتمل ہے۔ سلطانہ مہر نے ان کے مختصر حالات اور ادبی صلاحیتوں کے بارے میں لکھا ہے۔ ان کے بقول سردار بانو کو اب بھی نعت گوئی سے عشق ہے۔

سردار نے مولانا احمد رضا خان کی زمین میں ایک نعتیہ سلام لکھا ہے۔ یہ شعر ملاحظہ ہو :

جس نے ظلمت کدے سے نکالا ہمیں
ایسے مہر نبوت پہ لاکھوں سلام

نعت گوئی کے اس جدید دور میں بھی سردار کی نعتیہ شاعری قدیم اسلوب سخن اور روایت کی پابند ہے۔ بحوالہ آج کی شاعرات ان کی ایک نعت کے چند شعر درج کئے جاتے ہیں :

رسول خدا کملی والے محمد
شہ دوسرا کملی والے محمد
زیارت کی خاطر کبھی اپنے در پر
مجھے بھی بلا کملی والے محمد
کرم مجھ پہ فرما دکھا مجھ کو جلوہ
اے شمس الضحیٰ کملی والے محمد

سلمیٰ حیدر آبادی

حیدرآباد دکن کی یہ ہونہار شاعرہ مشہور نعت گو شاعر امجد حیدر آبادی کی شریک حیات تھیں۔ نام جمال النساء بیگم اور تخلص سلمیٰ تھا۔ مولانا سید نادر الدین مرحوم استاد فلسفہ وکلام مدرسہ دارالعلوم حیدر آباد کی صاحبزادی تھیں۔ ۱۳۴۸ ہجری میں انتقال کیا۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ نام پلی میں پائی مگر خانگی طور پر انہوں نے جو درس اپنے والد سے حاصل کیا' وہ عربی فارسی کی متداولہ کتابوں پر مبنی تھا۔ انہیں خوش نویسی میں بھی مہارت تھی۔

کچھ تو حضرت امجد کی شریک حیات ہونے کے ناتے اور کچھ اپنے والد مرحوم کے فیض صحبت اور دینی تعلیم کے باعث سلمیٰ کو تصوف اور مذہبی خیالات سے لگاؤ تھا۔ ان کی شاعری مذہبی جذبات' تصوفانہ خیالات اور حمد و نعت پر مشتمل ہے۔ "جمال امجد" کا آٹھواں نوشتہ تمام تران کے افکار و خیالات کا مرقع ہے۔ حضرت امجد کے بارے میں ان کا ایک شعر ہے :

ہے سلمیٰ دل و جاں سے امجد کی لونڈی
اور امجد غلام نبی ہے

ان کے ایک نعتیہ خمسہ سے اقتباس ملاحظہ ہو :

وہ یوسف گم گشتہ کس جائے نہاں ہوگا
کس پہلو میں پوشیدہ وہ راحت جاں ہوگا
یہ عالم کثرت کب توحید نشاں ہوگا
اس جسم کی مسجد میں کب شور اذاں ہوگا
میرا عربی آقا اللہ کہاں ہوگا

میں آئینۂ دل میں نقش اس کا جماؤں گی
ضد کرکے مناؤں گی رو رو کے ہنساؤں گی

میں آنکھوں کا فرش اس کے رستے میں بچھاؤں گی
میں اس میں سما کر پھر خود میں نہ سماؤں گی
میرا عربی آقا' اللہ کہاں ہوگا

اس کا دم جاں افزا بے جاں کو جلا دے گا
سوئی ہوئی قسمت وہ ٹھوکر سے جگا دے گا
تو اس کا پتہ بتلا وہ تیرا پتہ دے گا
تو مجھ سے ملا مجھ کو وہ تجھ سے ملا دے گا
میرا عربی آقا اللہ کہاں ہوگا

دیکھوں اسے گلشن میں ڈھونڈوں اسے صحرا میں
ہے عالم بالا میں یا عرش معلی میں
دل میں ہے مقام اس کا یا دیدہ بینا میں
وہ کعبہ میں رہتا ہے یا گلشن صحرا میں
میرا عربی آقا اللہ کہاں ہوگا

ش۔ا۔ شمیم جالندھری

نام شمیم اختر اور تخلص شمیم ہے۔ ش۔ا۔ شمیم کے نام سے مشہور ہیں۔ سن پیدائش تو خود ان کو بھی یاد نہیں۔ ۱۹۲۲ء میں جب تحریک خلافت اختتام پذیر تھی، وہ اپنے بھائی کے ساتھ بی اماں (والدہ مولانا شوکت علی، مولانا محمد علی) کی تقریر سننے کے لئے جلسہ گاہ میں گئیں تو ان کے اپنے بیان کے مطابق ان کی عمر بمشکل دس یا گیارہ سال کی ہوگی۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو وہ اس وقت عمر کی تقریباً آٹھ دہائیاں گزار چکی ہیں۔

محترمہ شمیم اختر جالندھر کے متوسط خاندان سے تعلق رکھتی ہیں۔ مذہبی ماحول میں پرورش پائی۔ جب سن شعور کو پہنچیں تو ہندوستان میں ہر طرف سیاست کی ہنگامہ آرائی تھی، چنانچہ تاریخی کتب کے مطالعے سے ان کے اس شوق کو جلا ملی۔ وہ خود فرماتی ہیں کہ "ہندوستان میں انگریزوں کی عیارانہ چال سے آمد، فریب کاری سے ملک پر تسلط، سلطنت مغلیہ کا زوال، غدر کے واقعات، ہندوستانی فوجوں میں بے چینی، چپاتی اور ریشمی رومال کی تحریک اور دانشمندوں کی انقلابی نظم و نثر کے مطالعہ نے میرے سمند ہوش پر تازیانے کا کام کیا"۔

ان کی ابتدائی تعلیم و تربیت خانگی طور پر ہوئی۔ لڑکپن اور جوانی سیاست کی ہنگامہ آرائیوں میں گزری۔ شروع میں کانگرس سے وابستہ ہوئیں، پر مسلم لیگ میں شامل ہو گئیں، حتی کہ قیام پاکستان تک پورے جوش و خروش اور قومی خدمت کے جذبے سے سرشار مسلم لیگ سے وابستہ رہیں۔ اس سلسلے میں جن خواتین نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، ان میں محترمہ شمیم جالندھری کا نام بھی اہم ہے۔ انہوں نے اپنے ذاتی مشاہدات اور سیاسی سرگرمیوں پر ایک روداد "تحریک پاکستان میں خواتین کا کردار" کے نام سے مرتب کی ہے۔ اس سلسلے میں ان کی دوسری کتاب "سقوط آزادی سے حصول آزادی تک" بھی اہم ہے اور

اس میں ۱۸۵۷ء سے ۱۹۴۷ء تک اسلامیان ہند کی جد و جہد آزادی کا تاریخی جائزہ لیا گیا ہے۔ یہ دونوں کتابیں ادارہ مصنفات لاہور سے شائع ہو چکی ہیں۔

سیاسی بصیرت اور قومی فراست رکھنے کے ساتھ محترمہ شمیم جالندھری نے شعر و ادب کا بھی اچھا ذوق پایا ہے۔ ان کے کلام کے تین مجموعے "اشک شمع"، "سوز پیہم" اور "نوائے سروش" شائع ہو چکے ہیں۔ آخر الذکر دو مجموعے مختصر ضخامت کے حامل ہیں۔ اشک شمع بھی زیادہ ضخیم نہیں تاہم باقی دو کی نسبت اس میں ان کا خاصا کلام شامل ہے۔ یہ مجموعہ تقریباً تیس بتیس سال پہلے تاج کمپنی نے شائع کیا تھا۔

شمیم جالندھری کی ادبی صلاحیتوں کا ذکر تذکرہ شاعرات اردو (۱۹۴۴ء) آفتاب حرم (۱۹۳۹ء) اور تذکرہ شاعرات پاکستان (۱۹۶۱ء) میں موجود ہے۔ ان تینوں تذکروں حتی کہ شفیق بریلوی کی مرتبہ کتاب ارمغان نعت میں بھی ان کی ایک ہی نعتیہ نظم "میلاد النبی" کو نقل کیا گیا ہے۔ یہ نظم صرف دو بندوں پر مشتمل ہے:

آج وہ دن ہے کہ برسا آسماں سے ابر نور
آج کے دن جوش پر تھی رحمت رب غفور
آج یثرب میں کیا شاہ دو عالم نے ظہور
ہو گیا روشن خدا کے نور سے نزدیک و دور
قل ھواللہ احد سے گونج اٹھا بت کدہ
بجھ گیا ایران کا جلتا ہوا آتش کدہ

شعبدے گم ہو گئے شیطان بھی گھبرا گیا
جھک گئی باطل کی گردن کفر بھی شرما گیا
ہل گئے ایوان شاہی زلزلہ سا آ گیا
سطوت بعثت تھی ایسی اک جہاں تھرا گیا
نعرہ اللہ اکبر کی صدا آنے لگی

برق وحدت کفر کے خرمن کو جھلسانے لگی

نوائے سروش سے ان کے نعتیہ کلام کا نمونہ ملاحظہ ہو :

دیار پاک سے سب کا سلام لائی ہوں
حضور یثرب مولا سلام لائی ہوں
شراب فیض سے بھر دیجئے مرے مولا
اسی امید پہ خالی یہ جام لائی ہوں
اے کاش شاہ مدینہ قبول فرما لیں
شمیم لکھ کے جو ناقص کلام لائی ہوں
مرا سلام عقیدت قبول ہو جائے
الٰہی دل کی کلی کھل کے پھول ہو جائے
تمہارا در تجلی گاہ عرفان الٰہی ہے
تمہارے دل میں پوشیدہ ہر اک راز خدائی ہے
ہو تم اک مخزن جود و سخا محبوب سبحانی
ہو شاہ دو جہاں یعنی سراسر لطف یزدانی
زمانے بھر کے آشفتہ ہیں عالم کے ستائے ہیں
ترے دربار میں شاہا یہی نذرانہ لائے ہیں
مصائب کی فراوانی سے دل پر چوٹ کھائے ہیں
پنہ لینے کو آخر کار تیرے در پہ آئے ہیں
سراپا درد بن کر لذت عرفاں میں کھو جائیں
شمیم خلد بنکر ہم گل بے خار ہو جائیں
نگاہ لطف ہو آقائے دیں اے فضل رحمانی
بس اتنی التجا ہے المدد قندیل رہبانی

شمیم اختر کے کلام میں مذہبی اور قومی جذبات نمایاں تر ہیں اور اس حوالے سے ان کی نعت گوئی میں بھی صدق جذبات کا واضح اظہار ملتا ہے، مگر ان کی شاعری کا یہ پہلو فنی حوالے سے قدرے دھیما پڑ جاتا ہے، جب ان کے کلام میں بعض مقامات پر ایطائے جلی اور ناقص ترکیبات کا استعمال نظر آتا ہے، تاہم ان کی مجموعی شاعری ان نقائص سے مبرا ہے۔

طاہرہ بانو طاہر سعید

خواجہ حمید الدین شاہد نے "حیدر آباد کے شاعر" (مطبوعہ ۱۹۵۸ء) جلد اول میں طاہرہ کے مختصر حالات لکھے ہیں۔ ان کے بیان کے مطابق آگرے میں پیدا ہوئیں۔ ان کے والد ایرانی تھے اور والدہ ہندوستانی۔ لکھنؤ یونیورسٹی سے بی اے کیا۔ دوسری جنگ عظیم کے زمانے میں اپنے والدین کے ساتھ طہران گئیں۔ طہران ریڈیو سے اردو میں تقریریں اور خبریں نشر کرتی تھیں۔ جنگ ختم ہونے پر طہران میں کرنل جی ایم سعید حیدر آبادی سے شادی ہوئی اور اپنے شوہر کے ساتھ حیدر آباد آکر سکونت اختیار کرلی۔

حمید الدین شاہد نے ان کا سن پیدائش درج نہیں کیا' البتہ یہ لکھا ہے کہ اس وقت ان کی عمر ۳۵ سال کے لگ بھگ ہوگی۔ گویا اب تک پینتیس چھتیس سال کا عرصہ گزرنے کے بعد (۱۹۵۸ء کے بعد) ان کی عمر' اگر وہ زندہ ہیں' تو ۷۰ سال سے زائد ہوگی۔

حیدر آباد کے شاعر میں ان کی ادبی صلاحیتوں کے بارے میں تحریر ہے کہ بانو طاہر کو بچپن سے اردو شاعری اور افسانہ نگاری کا شوق ہے۔ مختلف سماجی اور اصلاحی عنوانوں پر کئی افسانے لکھ چکی ہیں۔ شاعری میں کسی کی شاگرد نہیں ہیں۔ غزل اور نظم دونوں اصناف سخن میں طبع آزمائی کرتی ہیں۔ ان کے کلام میں سادگی' نازک خیالی اور تاثیر پائی جاتی ہے۔ قدرتی مناظر کی عکاسی' دلی جذبات کی ترجمانی اور اخلاقی تعلیم کا پرچار بڑی خوبی سے کرتی ہیں۔ ان کے نعتیہ کلام کا مجموعہ "ہدیہ طاہر" دو بار شائع ہو چکا ہے۔ افسوس کہ مجموعہ کلام دستیاب نہ ہو سکا۔

حیدر آباد کے شاعر میں ان کی نظموں اور غزلوں کا نمونہ ملتا ہے لیکن نعتیہ کلام کا انتخاب نہیں دیا گیا۔ ممتاز حسن کے انتخاب میں ایک نعت درج ہے' جس میں طاہرہ نے سلطان مدینہ کے حضور بزم اسلام کی ویرانی اور اغیار کی طعنہ زنی پر آنسو بہائے ہیں :

دے دے پھر کھوئی ہوئی شان مدینے والے
بزم اسلام ہے ویران مدینے والے
تجھ کو معلوم نہیں ہنستی ہے دنیا ہم پر
تنگ عالم ہیں مسلمان مدینے والے
رہ گیا کفر کے کانٹوں میں الجھ کر دامن
بچنا مشکل ہے اب ایمان مدینے والے
کس طرح پار ہو بیڑا کہ ڈبونے کے لئے
روبرو سخت ہے طوفان مدینے والے

غیر اللہ سے استمداد اور بھروسا مسلمان کا وطیرہ بن چکا ہے۔ وہی مسلمان جس کو قرآن میں درس توحید دیا گیا' آج خدائے واحد کا بابِ کرم چھوڑ کر دوسروں کا خوشہ چین ہے' کس قدر افسوسناک پہلو ہے :

غیر اللہ پہ کرتے ہیں بھروسا افسوس
وہ جو تھے صاحب قرآن مدینے والے

طلعت علویہ (ا۔ب)

ا۔ب ان کے نام کا مخفف اور تخلص طلعت ہے۔ آفتاب حرم میں ان کا نمونہ نعت اور ذکر ملتا ہے۔ ان کے حالات و کلام سے زیادہ آگاہی نہیں ہو سکی لہٰذا آفتاب حرم کے اس مختصر بیان پر انحصار کیا جاتا ہے کہ "امروہہ کے معزز خاندان علوی سے آپ کا تعلق ہے۔ نہایت موزوں طبیعت پائی ہے۔ اردو کی بہترین ادیبہ ہیں۔ طبیہ کالج دہلی میں طب کی تعلیم بھی حاصل کی۔ نعتیہ کلام کی طرف طبیعت زیادہ راغب ہے"۔ بحوالہ آفتاب حرم ان کی نعت ملاحظہ ہو :

نظر آ جائے روضہ خواب میں گر مجھ کو حضرت کا
چمک جائے ستارہ پھر نہ کیوں کر میری قسمت کا
نبوت ختم کی اللہ نے شاہ دو عالم پر
بڑا ہے ہر نبی سے مرتبہ ان کی رسالت کا
بلایا عرش اعظم پر خدائے ہر دو عالم نے
بجز ان کے ہوا حاصل یہ رتبہ کس کو قربت کا
نہیں جس شخص کے دل میں رسول پاک کی الفت
رہے گا بند اس پر در ہمیشہ قصر جنت کا
فرشتے مجھ سے جرح قبر میں کچھ کہہ نہیں سکتے
مجھے پڑھتے ہوئے پائیں گے وہ کلمہ شہادت کا
مجھے میرے پیمبر اپنے دامن میں چھپائیں گے
نہیں کچھ خوف اے طلعت مجھے روز قیامت کا

عفت مظفر نگری

رابعہ خاتون پنہاں جن کا ذکر پچھلے صفحات میں ضمنی طور پر آ چکا ہے، ان کی بڑی بہن ہیں۔ آمنہ خاتون نام اور عفت تخلص ہے۔ ۱۹۰۳ء میں سہارنپور میں پیدا ہوئیں۔ ۶ سال کی عمر میں قرآن مجید پڑھا، پھر اپنے والد مولانا عبدالاحد سے اردو، فارسی اور انگریزی کی تعلیم حاصل کی۔ جنوری ۱۹۲۰ء میں ناظر حسن وکیل (میونسپل مظفر نگر) سے ان کی شادی ہوئی۔ اوائل عمری میں مضمون نگاری کا شوق ہوا۔ آپ کے افسانوں کا مجموعہ بھی شائع ہو چکا ہے۔ میونسپل بورڈ اور ڈسٹرکٹ بورڈ میں سرکاری ممبر کی حیثیت سے کام کرتی ہیں۔ ایک زنانہ اسلامی درسگاہ کی بنیاد رکھی۔ لڑکیوں کی تعلیم کے لئے انگلش مڈل سکول اور ایک صنعتی و حرفتی زنانہ سٹور قائم کیا، جو انتہائی مقبول ہوا۔

جمیل احمد بریلوی نے تذکرہ شاعرات اردو میں ان کے حالات اور ادبی صلاحیتوں کا مختصر ذکر کیا ہے۔ ان کے بقول "کچھ عرصہ سے دنیائے فانی سے لگاؤ کم ہو گیا ہے اور طبیعت فقر کی طرف راغب ہے۔ شرعی پردہ کرتی ہیں چنانچہ کمیٹیوں وغیرہ میں زیر نقاب کام کرتی ہیں۔ دستکاری اور امور خانہ داری سے دلچسپی ہے۔ طبیعت میں ہمدردی اور زندہ دلی ہے۔ آپ کا رنگ پختہ اور کلام سنجیدہ و بلند پایہ ہے۔ اسلوب بیان پاکیزہ اور صاف ہے"۔

تذکرہ شاعرات اردو کے بعد ان کے مزید حالات کا پتہ نہیں چلتا۔ مذکورہ حوالے سے ان کی ایک نعت کا اقتباس درج ذیل ہے۔

مری آنکھ میں مسکرا دو محمد
خراب آئینہ کو جلا دو محمد
مری روح و جاں نذر چشم کرم ہیں
خدا را نظر اک اٹھا دو محمد

جہاں طائر عقل بھی نارسا ہے
رسائی وہاں تک کرا دو محمد
گناہوں سے مردہ ہوئی روح عفت
شفاعت سے اپنی جلا دو محمد

علیا حضرت دلہن پاشا

دکن کی اولین ملکہ جنہوں نے اردو شعر کہے۔ آفتاب حرم میں لکھا ہے کہ "مرشد زادہ نواب جہانگیر یار جنگ کی دختر نیک اختر ہیں۔ ۱۹ صفر ۳۲۴ ہجری کو ایڈن باغ میں آصفجاہ سابع سے رشتہ ازدواج میں منسلک ہوئیں۔ شہزادہ اعظم جاہ بہادر ولی عہد اور نواب معظم جاہ بہادر آپ ہی کے بطن سے ہیں۔ ۱۳۵۳ ہجری میں حج بیت اللہ اور زیارت مدینہ منورہ کا شرف حاصل کر چکی ہیں۔ ممدوحہ کو شاعری سے بھی دلچسپی ہے۔ اعجاز تخلص فرماتی ہیں" تذکرہ جمیل میں ان کا تفصیلی ذکر موجود ہے۔ علاوہ ازیں تذکرہ شاعرات اردو میں بھی ان کا مختصر ذکر ملتا ہے۔

آفتاب حرم میں ان کی ایک نعت درج ہے، جو انہوں نے مدینہ منورہ کے قیام کے دوران کہی۔ چند شعر دیکھئے :

میرا مولا در آقا پہ مجھے لایا ہے
آج کیا اختر طالع نے شرف پایا ہے
ہے وہ در آپ کا' دربان' ہے جس کا جبریل
اور اسی باب سے خالق کا سلام آیا ہے
کیا بشر کی ہے حقیقت جو کوئی وصف کرے
سب مریضوں نے یہاں جام شفا پایا ہے
عرض مقصد جو کیا بیٹھ کے جالی کے قریب
کس زباں سے کہوں دل میں جو جواب آیا ہے
اے مسیح دو جہاں لطف ہو اعجاز پہ بھی
سب مریضوں نے یہیں جام شفا پایا ہے

محمودہ پھلواری

محمودہ خاتون نام، تخلص محمودہ۔ ان کا ذکر ڈاکٹر طلحہ برق رضوی نے "اردو کی نعتیہ شاعری" میں پھلواری شریف کے خانوادہ مجیبی کی شاعرات کے ضمن میں کیا ہے۔ محمودہ خاتون حضرت شاہ علی محی الدین (نبیرہ شاہ محمد ابوالحیواۃ قادری مجیبی مصنف تذکرۃ الکرام) کی صاحبزادی تھیں۔ ۴ ربیع الاول ۱۳۴۷ ہجری کو انتقال کیا۔ ان کا نعتیہ دیوان "گلستان سخن محمودہ" شائع ہو چکا ہے۔ کلام سوز و درد اور سچے جذبات کا آئینہ دار ہے۔ چند شعر ملاحظہ ہوں :

دیار مصطفیٰ میں جب کبھی اپنا گزر ہوگا
غبار راہ پائے کارواں سے پس کے سر ہوگا
نبی پاک کا رکھتی ہوں سایہ سر پہ محمودہ
مجھے محشر نہ مہر عرصہ محشر کا ڈر ہوگا

طفیل نعت رسول کریم محمودہ
کلام تیرا سر حشر انتخاب ہوا

نبی کی نعت میں سرسبز ہے اک اک سخن میرا
پھلا پھولا ہے اقلیم معانی میں چمن میرا
خوشا عز و جلال نعت پاک سید عالم
زبانوں پر فرشتوں کی ہے محمودہ سخن میرا

مخفی بدایونی

رسول جہاں بیگم نام، پہلے بیدل تخلص کرتی تھیں، بعد میں تخلص مخفی اختیار کر لیا۔ ان کے والد چوہدری اساس الدین عارف پور نوادہ بدایوں کے متمول خاندان سے تھے۔ انتالیس برس کی عمر میں ان کا انتقال ہو گیا تو رسول جہاں بیگم، ان کی بہن نور بدایونی اور ان کے چھوٹے بھائی کی کفالت کی ذمہ داری ان کی والدہ نے نبھائی۔ والدہ کے علاوہ ان کے چھوٹے بھائی نے بھی اپنے اس خاندان کی کفالت کے فرائض سرانجام دیئے۔ بدقسمتی سے باپ کی وفات کے تین سال بعد بھائی کا بھی انتقال ہو گیا۔ ۱۹۲۱ء میں ڈاکٹر رفعت حسین صدیقی سے ان کا عقد ہوا۔ ابھی رخصتی بھی نہیں ہوتی تھی کہ ماں کا سایہ بھی سر سے اٹھ گیا۔ شادی کے وقت تک ان کے شوہر کی تعلیم مکمل نہیں ہوئی تھی۔ چنانچہ ازدواجی زندگی میں قدم رکھنے کے بعد ان کے شوہر نے مسلم یونیورسٹی علیگڑھ میں داخلہ لیا اور ایم ایس سی اور ایم ایل ایل بی کی ڈگریاں حاصل کیں۔ پھر علیگڑھ یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی۔ اعلیٰ تعلیم کی خاطر انگلستان گئے اور آکسفورڈ سے ڈی فل کی ڈگری حاصل کر کے علیگڑھ یونیورسٹی میں ان کا تقرر ہو گیا۔ ۱۹۴۳ء میں امپیریل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ میں ملازم ہوئے اور پاکستان بننے کے بعد کراچی آگئے۔

مخفی کا ذکر تذکرہ شاعرات اردو اور تذکرہ شاعرات پاکستان میں تفصیل سے ملتا ہے۔ ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق نے "اردو میں نعتیہ شاعری" میں اور ڈاکٹر ابو سلمان نے تذکرہ نعت گو شاعرات میں متذکرہ بالا تذکروں سے استفادہ کرتے ہوئے ان کی نعتیہ شاعری پر لکھا ہے۔

مخفی غزل اور نظم میں یکساں مہارت رکھتی ہیں تاہم ان کا دائرہ فکر سیرت رسول اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت ہے، جس سے رسول مقبولؐ سے ان کے جذبہ عشق کی شدت اور راستی فکری کا اظہار ہوتا ہے۔ بقول ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق "نعت گوئی نہ

صرف انہیں طبقہ نسواں کی نعت گو شاعرات میں منفرد حیثیت بخش رہی ہے بلکہ عام نعت گو شعراء میں ان کا یہ رنگ ممتاز ہے۔ بارگاہ رسالت میں ہدیہ عقیدت اور پر خلوص تاثیر کو لئے ہوئے اپنے محاسن میں اچھے نعت گو شعراء کے کلام سے پیچھے اور کم درجہ نہیں ہے۔ جذبات کی ترجمانی میں جو طرز بیان شاعرہ نے اختیار کیا ہے' اس کی شگفتگی قابل داد ہے"۔

ان کی بڑی بیٹی عفت رفعت حسین لکھتی ہیں "وہ رسول عربیؐ کا ذکر اپنی آنکھ میں آنسو لائے بغیر نہیں کر سکتیں۔ نعت بغیر مرتعش آواز کے آج تک نہ پڑھ سکیں"۔ مخفی کی چھوٹی بہن نور بدایونی اعلی درجے کی نعت گو شاعرہ ہیں۔ ان کا ذکر حروف تہجی کے اعتبار سے اپنے مقام پر آئے گا۔

مخفی کے نعتیہ کلام میں روشن ترین پہلو' ان کے جذبہ عشق کی صداقت ہے' جس کے تحت وہ اپنے جذبات کی ترجمانی بہت خوبصورت اور نپے تلے انداز میں کرتی ہیں۔ نعت رسول میں ان کے اسی جذبے کی کارفرمائی سیرت اقدس کے مقدس پہلوؤں کو خوبصورت اشعار کا روپ دیتی ہے۔ مولانا ظفر علی خان کی مشہور نعت ہے :

وہ شمع اجالا جس نے کیا چالیس برس تک غاروں میں

اس زمین میں مخفی نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی توصیف و تعریف میں خوبصورت تراکیب' حسن الفاظ اور موثر پیرایہ اظہار سے اپنے جذبے کی ترجمانی ہے۔ ہر شعر ان کی محبت و ارادت کا آئینہ دار ہے۔ یہ چند شعر دیکھئے :

مہکا وہ گل لولاک لما جب یثرب کے گلزاروں میں
توحید کی نکہت پھیل گئی تثلیث کے سارے اداروں میں
عالم سے جہالت دور ہوئی دنیا سے جفا کافور ہوئی
بت خانے میں ہے شور اذاں توبہ کی صدا میخواروں میں
وہ دولت سر خفی و جلی جو طیبہ کی گلیوں میں لٹی
ارباب ہوس کو وہ نہ ملی سلطانوں کے درباروں میں

اے ابر سخا یاں جھوم کے آ ہے شور عطش پیاسوں میں بپا
اے جان مسیحا چشم عطا اب تاب نہیں بیماروں میں
ہیں تیری گلی کے خاک بسر صد قیصر و کسریٰ سے بڑھ کر
ہیں تیری ادا کے دیوانے خود دنیا کے ہشیاروں میں
سرسبز ہوا گلزار جہاں فیضان سحاب رحمت سے
پھولوں کا تو مخفی ذکر ہی کیا باقی نہیں سخت خاروں میں

مخفی نے ایک مسدس "یثرب کے جانے والے" کے عنوان سے لکھا ہے۔ اس کے کل بارہ بند ہیں۔ اس نعتیہ مسدس میں شاعرہ نے یثرب کے مسافر کی خوش قسمتی پر رشک کیا ہے کہ وہ دیار شہ ذیجاہ کی زیارت کے لئے جا رہا ہے اور اس کو لذت حضوری کا سامان میسر ہونے والا ہے۔ شاعرہ کی یہ آرزو ہے کہ اس کا سلام شوق مسافر رہ طیبہ کے ذریعے بارگاہ رسالتماب میں پہنچ جائے۔ وہ بار بار اس سے مخاطب ہو کر کہتی ہے۔

تو سلام دل تفسیدہ جگر لیتا جا

مسدس میں شاعرہ کا دلی ذوق و شوق' جذب و کیف اور سوز و گداز نمایاں ہے۔ آرزوئے وصال اور تمنائے حضوری نے شاعرہ کے بیان میں انتہائی درد اور خلوص پیدا کر دیا ہے' مثلاً ملاحظہ ہوں' مسدس کے یہ بند :

تجھ کو قسمت نے دکھائے ہیں یہ ایام سعید
کیوں نہ ہو اوج شرف پر ہے ترا انجم دید
تو ہے اور گلشن یثرب کی بہار جاوید
میں نہیں جلوہ جاناں کے اگر قابل دید
فرش رہ کے لئے تو میری نظر لیتا جا
تو سلام دل تفسیدہ جگر لیتا جا
جب ملے آہ رسا کو تری اذن پرواز

پہنچے تقدیر تجھے لے کے سر محفل ناز
کوئی تحفہ تو نہیں لائق سلطان حجاز
مگر اک عرض ہے ناچیز کی اے بندہ نواز
نذر کو چشم عقیدت کے گہر لیتا جا
تو سلام دل تفسیدہ جگر لیتا جا

پہنچے جب سرور کونین کے کاشانے پر
کہیو اب روح ہے آمادہ نکل جانے پر
تنگ ہے جامہ ہستی ترے دیوانے پر
دل بیتاب بہلتا نہیں بہلانے پر
خبر شیفتہ خاک بسر لیتا جا
تو سلام دل تفسیدہ جگر لیتا جا

آخر میں شاعرہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور سلام بھیجا ہے اور سلام کی قبولیت کی دعا کرتے ہوئے مصائب کی شب تاریک میں اجالے کی آرزو کی ہے :

لیجے بند مصیبت کے اسیروں کا سلام
لیجے یا شہ کونین فقیروں کا سلام
فاقہ مستوں کا، غریبوں کا، امیروں کا سلام
قوم کے طفلوں کا برناؤں کا پیروں کا سلام
گر سلام اپنا قبول شہ والا ہو جائے
شب تاریک مصائب میں اجالا ہو جائے

تجلی نے رسالتمآب کے اوصاف اطہر مثلاً حضور کے اخلاق کریمانہ، انقلاب آفریں معجزات اور سیرت اقدس کے بعض دل نشیں پہلوؤں کو بڑا عمدہ پیرایہ اظہار دیا ہے۔ ان کے کلام میں پختگی، بلندی اور خلوص کی سچائی ہے۔ ایک نعتیہ مسدس میں انہوں نے اپنے

جذبات اور خیالات کی ترجمانی نہایت دلکش انداز میں کی ہے۔ تین بند ملاحظہ ہوں :

جس نے باطل کے سفینہ کو ڈبویا وہ رسول
جس نے کفر و جہل کی ظلمت کو کھویا وہ رسول
امت عاصی کی خاطر جو نہ سویا وہ رسول
پیش خالق رات بھر سجدہ میں رویا وہ رسول
جس نے اپنے خوں سے سینچا گلشن اسلام کو
کر دیا روشن زمانہ میں خدا کے نام کو

وہ مجسم رحم لیکن ظالموں پر سخت گیر
جس کی شان پاک میں آیا بشیرا اور نظیر
مالک کونین اور لذت کش نان شعیر
بہترین خلق لیکن بندہ رب قدیر
فقر و شاہی کو ہے نازش جس کی ذات پاک پر
عرش پر جس کے قدم لیکن جبیں ہے خاک پر

وارث تاج کیان و تخت جم جن کے غلام
جن کی تیغوں نے بدل ڈالا نظام صبح و شام
توسن ایام کی تھی جن کے ہاتھوں میں لگام
روند ڈالا جن کے رہواروں نے روم و مصر و شام
کارنامے ان کے اب بھی اک جہاں کو یاد ہیں
ان کے نقش پا سے اب بھی رہگزر آباد ہیں

مریم قادری

ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہان پوری نے تذکرہ نعت گو شاعرات میں ان کا مختصر ذکر کیا ہے اور نعتیہ کلام کا نمونہ بھی دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ "بدایوں کے مشہور رئیس عثمان بخش ان کے والد اور جامعہ کراچی کے مشہور استاد ڈاکٹر محمد افضال حسین قادری مرحوم ان کے شوہر تھے۔ مارچ ۱۹۲۷ء میں پیدا ہوئیں۔ گھر کا ماحول دینی اور ادبی تھا۔ دینی اور ادبی ذوق کی تربیت بچپن ہی میں ہو گئی تھی، لیکن شاعری کا آغاز ۱۹۴۴ء میں ان کی شادی کے بعد ہوا۔ انہوں نے صرف حمد و نعت اور منقبت کی شاعری کی۔ کلام پر اصلاح اپنے نامور شوہر سے لی"۔ نغمات حرم کے نام سے ان کی حمدوں، نعتوں اور منقبتوں کا مجموعہ ۱۹۶۸ء میں شائع ہو چکا ہے۔ نعتیہ کلام کا نمونہ نذر قارئین ہے :

گردش مہ و ماہ ہو یا کہ ہو دور صبح و شام
صبح ازل سے آج تک سب ہیں رہین التفات
جہان خاک کو یہ لالہ و گل کب میسر تھے
ترے دامن کی جنبش سے بہار جاں فزا آئی
تیری نگاہ لطف سے زندہ ہے روح زندگی
تیرے کرم سے فیضیاب وسعت شش جہات ہے
اے مظہر ذات عز و جل اے جلوہ نور حسن ازل
اے صاحب ہر خوبی و صفت اے نازش عالم صلی اللہ
انجم شب بھی نئے ماہ درخشاں بھی نیا
خاص ہے مہر جہاں تاب مدینے کے لئے

مستور رضویہ

ام محمد کنیت اور مستور تخلص ہے۔ آفتاب حرم کے علاوہ دیگر کسی تذکرے میں ان کا ذکر نہیں ملا۔ مذکورہ کتاب میں تحریر ہے کہ "وہ امروہہ کی رہنے والی سادات رضویہ کے خاندان سے ہیں۔ اردو فارسی میں اچھی دسترس حاصل ہے۔ بہترین طبیبہ ہیں۔ کئی پشتوں سے آپ کے خاندان سے طبابت وابستہ چلی آ رہی ہے۔ سالاری دواخانہ امروہہ کے زنانہ شعبہ کی انچارج ہیں۔ بہترین نظمیں لکھتی ہیں"۔

۱۹۴۹ء تک کے ان مختصر حالات کے بعد ہمیں اس شاعرہ کے بارے میں کچھ پتہ نہیں چلتا۔ آفتاب حرم میں اس کی ایک نعتیہ نظم "مصلح اعظم" کے عنوان سے رقم ہے، جو دو ترجیع بندوں پر مشتمل ہے۔ ہر بند میں دس اشعار ہیں۔ شاعرہ نے اس نظم کے پہلے بند میں "مصلح اعظم" کی بعثت سے قبل عالم کفر کی نقشہ آرائی کی ہے۔ بدعات اور دام عصیاں میں گرفتار ماحول اور خداوند تعالیٰ کی رحمت سے محروم زمانے کی تصویر کشی کرتے ہوئے شاعرہ نے ان چند برائیوں کا ذکر کیا ہے، جو انسانیت کے لئے سم قاتل تھیں۔ دوسرے بند میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد اور دنیا میں رونما ہونے والے اس انقلاب کا ذکر ہے، جو تمام انسانیت کے لئے فوز و فلاح کا ضامن ٹھہرا۔ پیغمبر آخرالزماں کے انقلابی پہلوؤں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے شاعرہ نے ایک خاتون ہونے کے ناتے سے مرد و زن کی ازدواجی زندگی میں اس انقلاب سے پیدا ہونے والے مساواتی عمل اور صنف نازک پر مرد کی ناجائز حاکمیت کے خاتمے کا ذکر کیا ہے۔ شاعرہ کا طرز بیان اس کی پختگی فکر و فن کا آئینہ دار ہے۔ دوسرے بند کے یہ شعر دیکھئے :

دیکھ کر بزم جہاں کا رنگ یہ بگڑا ہوا
اک تلاطم رحمت خلاق میں پیدا ہوا

آ گیا وہ رحمتہ للعالمیں، ختم الرسل
شرک گاہ دہر میں ہر سمت یہ چرچا ہوا
سر بسجدہ بت ہوئے آتش کدے ٹھنڈے ہوئے
کاخ کسریٰ میں غضب کا زلزلہ پیدا ہوا
کوہ فاراں سے اٹھی اک دعوت حق کی صدا
قلب انسانی میں ذوق اہتدا پیدا ہوا
رحمتوں کا دہر میں ہونے لگا ہر سو نزول
خالق و مخلوق میں پھر واسطہ پیدا ہوا
لڑکیوں نے زندہ درگوری سے حاصل کی نجات
ازدواجی زندگی کا دور جلوہ زا ہوا
مرد نے سمجھا کہ عورت کے مساوی ہیں حقوق
صنف نازک کو ملا پھر اپنا حق کھویا ہوا
ہو گیا عالم رموز زندگی سے روشناس
بادہ توحید کا ہر شخص متوالا ہوا
تجھ پہ شاہا جان مستور حزیں، قربان ہے
بزم کل پر مصلح اعظم ترا احسان ہے

مظہر، سعیدہ عروج

مظہر النساء سعیدہ ان کا نام، مظہر تخلص اور عروج ان کے شوہر حسن محمود عروج سے نسبت کی وجہ سے ہے۔ سعیدہ مظہر حیدر آباد دکن میں ۱۹۲۲ء میں پیدا ہوئیں۔ ان کے والد سید محمد مرتضیٰ حسن نہاں مشہور ادیب و شاعر اور مختلف درسی کتابوں کے مصنف و مولف تھے۔ سعیدہ کا سارا خاندان علم و ادب کا پرستار تھا، چنانچہ ان کی پردادی، دادی اور پھوپھی فارسی اور اردو کی مشہور شاعرات تھیں۔ تاباں، جوہر اور ثاقب تخلص کرتی تھیں۔ سعیدہ کی والدہ فاطمہ بیگم کا تخلص کنیز تھا اور زیادہ تر عورتوں کے مسائل پر نظمیں لکھتی تھیں۔ سعیدہ مظہر نے اس زمانے میں، جب بہت سی لڑکیوں کی تعلیم غیر ضروری سمجھی جاتی تھی، اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ جامعہ عثمانیہ حیدر آباد (دکن) سے ۱۹۴۳ء میں انہوں نے ساڑھے بارہ سو لڑکوں لڑکیوں میں اول آکر علاء الدین گولڈ میڈل حاصل کیا۔ فارسی میں ایم اے اور بی ایڈ میں بھی امتیازی حیثیت سے پاس ہوئیں۔ ۱۹۴۷ء میں فیض آباد (یو۔پی) کے ایک زمیندار خاندان کے چشم و چراغ حسن محمود عروج سے رشتہ ازدواج میں منسلک ہوئیں۔ سعیدہ مظہر کے علمی ذوق و شوق اور فطری صلاحیتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے حکومت حیدر آباد نے ان کو وظیفہ دیا اور فارسی کی اعلیٰ تعلیم کے لئے لندن بھیجنے کا فیصلہ کیا لیکن سقوط حیدر آباد کے باعث وہ ۱۹۴۸ء میں ہجرت کر کے پاکستان آگئیں۔ پاکستان کے مختلف شہروں کے زنانہ کالجوں میں تدریسی خدمات انجام دیتی رہیں۔ ۱۹۷۸ء میں ان کا انتقال ہوا۔

سعیدہ مظہر نے اردو ادب کی مختلف اصناف میں اپنی فکری صلاحیتوں کا ثبوت دیا ہے۔ انہوں نے بے شمار افسانے اور ناول لکھے اور مغربی ادب سے اردو ترجمے کئے۔ مختلف اردو رسائل کی مدیرہ بھی رہیں۔ نقد و نظر میں خاصی مہارت رکھتی تھیں۔ ان کے دو تحقیقی مقالے تاریخ ادبیات ایران اور احوال و اشعار نظیری نیشاپوری بڑی اہمیت کے حامل سمجھے

گئے۔ سعیدہ مظہر کو فارسی' اردو' عربی اور ہندی پر عبور حاصل تھا۔ انہوں نے شاعری خصوصا غزل میں اردو ہندی کے امتزاج سے ایک نئی چاشنی پیدا کی ہے۔ ان کو غزل کے ساتھ نظم' قصیدہ اور مثنوی میں بھی یکساں مہارت حاصل تھی۔ سعیدہ مظہر کے کلام کا ایک مجموعہ جو "ضمیر لالہ" کے نام سے انہوں نے مرتب کیا تھا' زوال حیدر آباد کی نذر ہو گیا تھا۔ سلطانہ مہر نے لکھا ہے کہ "سعیدہ عروج نے شاعری کا آغاز نعت سے کیا"۔

سعیدہ مظہر کا تذکرہ نصیرالدین ہاشمی کی دکن میں اردو' شفیق بریلوی کے تذکرہ شاعرات پاکستان' سلطانہ مہر کی آج کی شاعرات' پنجاب یونیورسٹی کی مرتبہ تاریخ ادبیات پاک و ہند جلد دہم اور ابو سلمان شاہجہان پوری کے تذکرہ نعت گو شاعرات میں موجود ہے۔ ڈاکٹر ابو سلمان نے ان کی نعت کا نمونہ نہیں دیا۔ شفیق بریلوی نے ارمغان نعت میں سعیدہ مظہر کی ۱۸ اشعار پر مشتمل ایک نعتیہ مثنوی درج کی ہے۔ مثنوی کا قدیم اسلوب لیکن اظہار کی جدت' زبان و بیان میں پختگی' خیالات میں ندرت اور کیف و تاثیر نمایاں ہے۔ چند منتخب شعر درج کئے جاتے ہیں :

کس نے کھولی ہے زباں کون ہوا دل کے قریں
کیسی آواز ہے کیوں بھیگ رہی ہے یہ جبیں
کوئی یوں بول رہا ہے رگ جاں کے اندر
جیسے الفاظ نہوں پوشیدہ زباں کے اندر
ایک سناٹے میں ڈوبے ہوئے یہ بام یہ در
لوگو بتلاؤ تو اس سمت میں ہے کس کی نظر
کس کی آمد ہے کہ خوشبو کی لپٹ آتی ہے
جسم میں روح کے گلزار کو چٹکاتی ہے
سنسناہٹ سی ہے دل جھوم رہا ہو جیسے
نام جو لب پہ ہے دل چوم رہا ہو جیسے

میرے مولا مرے آقا مرے سرور صدقے
جان و دل صدقے ترے پاؤں پہ یہ سر صدقے
کائنات آج مکمل ہوئی آمد سے تری
ذات انسان مدلل ہوئی آمد سے تری
تو نے بتلایا کہ انسان کی ذات واحد
اپنے کردار کی تلوار پہ خود ہے کاسد
فرد واحد کی بقا اس کی بقائے کردار
ملت افراد سے ہے اور ہے ملت تلوار
قوم جو فعل و عمل میں کھلی تفسیر بھی ہے
وہ زمانہ کے لئے شیشہ و شمشیر بھی ہے
تیری آمد کا یہ مفہوم تھا مکی مدنی
آدمی مظہر کردار کا ہوتا ہے دھنی

معینہ انور معین حیدر آبادی

مبارز النساء ان کا نام، معینہ قلمی نام اور معین تخلص کرتی ہیں، لیکن معینہ انوار کے نام سے مشہور ہیں۔ سلطانہ مہر نے آج کی شاعرات میں ان کا ذکر کیا ہے۔ معینہ انور کے والد سید مظفر علی شاہ اسلامی فلسفے کے جید عالم تھے۔ انہوں نے لندن اور کیمبرج یونیورسٹی میں ابن خلدون پر اعلیٰ تحقیقات کی تھیں۔ معینہ انور کے نانا سید نور الرسول قدرت مرحوم حیدر آباد کی معروف علمی شخصیت تھے۔ معینہ انور کا شعری ذوق انہی کی صحبت میں پروان چڑھا۔ معینہ نے بی ایس سی کی ڈگری لی لیکن اردو ادب سے لگاؤ ہونے کی وجہ سے ادب کی کتابیں ان کے زیر مطالعہ رہتی تھیں۔ ان کی شادی جامعہ کراچی کے پروفیسر ڈاکٹر احمد علی انور سے ہوئی۔

بقول سلطانہ مہر "معینہ نے زیادہ تر نعتیں لکھی ہیں۔ ان کے نعتیہ کلام کا مجموعہ "نذرانہ" کے عنوان سے شائع ہو چکا ہے"۔ میری نظر سے یہ مجموعہ نہیں گزرا البتہ سلطانہ مہر کے حوالے سے ان کے چند نعتیہ اشعار کا نمونہ نقل کیا جاتا ہے:

وہ التفات لطف و کرم یاد، آ گئے
دل پھر نثار احمد مختار ہو گیا
پھر یاد آ رہی ہے وہی شب وہی سحر
مشتاق دید پھر دل بیمار ہو گیا
سہارا لے کے دامن کا معیں نے
ہے پا لی دولت حسن بقا اب
فکر امت سے شب و روز تڑپنے والے
درد اسلام کے درمان کہاں ہے آ جا

ناز بلگرامی

ان کا ذکر تذکرہ شاعرات اردو کے علاوہ مجھے کہیں نہیں ملا۔ اس تذکرے کے مطابق "محترمہ ناز بلگرامی اورنگ آباد دکن کی رہنے والی اور اردو کی ایک قابل قدر شاعرہ ہیں۔ کلام اکثر خاتون مشرق میں چھپتا رہتا ہے۔ آپ کا کلام جذباتی حیثیت سے بلند اور پرکیف ہوتا ہے۔ زبان صاف اور طرز ادا پاکیزہ ہے۔ زیادہ تر نعت اور منقبت لکھتی ہیں۔ ایسی نظموں میں آپ کا جوش عقیدت جھلکتا ہے۔ کلام سنجیدہ، پرکیف اور بلند ہے"۔

تذکرہ شاعرات اردو میں ناز بلگرامی کی ایک نعتیہ نظم "عقیدت کے پھول گلشن رسالت میں" درج ہے۔ چند شعر ملاحظہ فرمائیں:

قلب میں تیری یاد ہے ذہن میں تیری رفعتیں
تجھ پہ نثار ہو جہاں تجھ پہ نثار دولتیں
قلب میں تیرا ہے جمال آنکھ میں تیرا نور ہے
روح میں تیری عظمتیں قلب میں تیری برکتیں
سارے جہاں کے آفتاب سارے جہاں کے ماہتاب
سارے جہاں کی کائنات تجھ پہ نثار مدحتیں
ناز پہ بھی نگاہ لطف کیجئے شاہ باصفا
ناز کے حال پر بھی ہوں لطف و کرم کی بارشیں

نازش، برجیس جود

برجیس جود نام، للین (Lillian) عرف اور تخلص نازش تھا۔ ڈاکٹر سید ریاض الحسن (سابق ڈپٹی ڈائریکٹر سیرم انسٹیٹیوٹ ایزت نگر بریلی) کی دختر تھیں۔ لاہور میں ۲ مارچ ۱۹۲۶ء میں پیدا ہوئیں اور عین عنفوان شباب میں اٹھارہ سال ایک ماہ تیرہ یوم زندہ رہ کر ۱۵ اپریل ۱۹۴۴ء کو انتقال کیا۔ نازش انٹرمیڈیٹ میں زیر تعلیم تھیں کہ چھوٹے بھائی کے اچانک گھر سے فرار ہونے کے باعث دوران امتحان سوکس کے پرچے میں رہ گئیں۔ ۱۹۴۴ء میں دوبارہ امتحان میں شریک ہوئیں لیکن ابھی آٹھ ہی پرچے ختم کئے تھے اور تین باقی تھے کہ یکایک نہ ٹلنے والا بلاوا آگیا اور ۱۵ اپریل کو داعی اجل کو لبیک کہا۔ مرنے سے دو گھنٹے پہلے ان کے لبوں پر یہ شعر تھا :

عرق آیا جبیں پر وقت مردن، آئینہ لاؤ
ہم اپنی زندگی کی آخری تصویر دیکھیں گے

اردو ادب کی ایک نہایت قابل قدر اور بلند آہنگ شاعرہ زاہدہ خاتون شروانیہ نے صرف ۲۸ سال کی عمر میں وفات پائی لیکن اس کی علمی قابلیت بڑے بڑے شعراء کے ہم پلہ ہے۔ محترمہ برجیس جود نازش نے نہایت کم عمری میں یعنی اٹھارہ سال کی عمر میں انتقال کیا اور اس کا کلام اگرچہ زاہدہ خاتون مرحومہ کے کلام کے مقابل اتنی وسعت و بلندی فکر کا حامل تو نہیں ہے، تاہم اتنی کم عمری میں برجیس نازش کے کلام کی پختگی اور فکری گہرائی و سنجیدگی حیرت انگیز امر ہے۔ مزید یہ کہ انہوں نے کبھی کسی سے اصلاح نہیں لی اور نہ ان کو علمی و ادبی ماحول میسر تھا۔ بقول جمیل احمد بریلوی "اگر ان کو مناسب تربیت و ماحول ملتا اور عمر کچھ اور وفا کرتی تو مرحومہ سپہر ادب کا ایک درخشندہ ستارہ بن کر چمکتیں"۔ جمیل احمد بریلوی ان کی سیرت و فضائل کے بارے میں لکھتے ہیں کہ "آپ غریبوں کی ہمدرد، لاچاروں کی دستگیر، مصیبت زدوں

کی غمگسار تھیں۔ طبیعت میں سنجیدگی، انکسار، بردباری اور حلم موجود تھا۔ علم و ادب سے بڑا گہرا لگاؤ تھا"۔

مرحومہ نے وفات سے چند ماہ پہلے اپنا کلام تلف کر دیا تھا۔ جمیل احمد بریلوی نے ان کے والد سے ان کی بعض غیر تلف شدہ بیاضوں میں مندرج کلام منگوا کر اپنے تذکرے میں محفوظ کر دیا ہے۔ نازش کا جو کلام باقی بچا ہے، اس میں غزل، رباعی، نظم اور نعت و منقبت سب کی مثالیں ملتی ہیں۔ ان کو مذہب سے خاص لگاؤ تھا۔ اس بنیاد پر ان کا کلام مذہبی تعلیمات و روایات کے رنگ میں رچا ہوا ہے۔ نازش کا کلام حقیقت، معرفت اور تصوف کے خیالات سے مزین ہے۔ مذہبی شغف اور دینی تعلیم نے نازش کو بحضور خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم اظہار جذبات کی دولت عطا کی تھی۔ چند ایک رباعیاں جو نعت کے رنگ میں ہیں اور نعتیہ اشعار نازش کے ذوق نعت کے آئینہ دار ہیں۔ یہ دو رباعیاں دیکھئے :

قدرت نہیں مولا کی بیاں پر موقوف
وہ نور ہے خود نور کے اندر ملفوف
کیا مرتبہ نازش کا جو وہ کھولے زباں
اوصاف بھی یکتا ہیں مثال موصوف

اے دل زشراب عشق احمد برخیز
ساقی کی قسم اس سے نہیں ہے کچھ تیز
کافی ہیں مجھے پنجتن پاک مرے
کیا خوف اگر دہر ہے فتنہ انگیز

نازش کی ایک نعت کے یہ شعر ملاحظہ ہوں :

تمہارے نور سے پیشانی آدم چمکتی تھی
تمہی اول تمہی آخر تمہی ہادی کامل ہو

یہاں زمزم وہاں کوثر پلاؤ جس کو تم چاہو
کہ جان میکدہ تم ہو تمہی مختار و عامل ہو
نہیں کچھ خوف اے نازش اگر کرب و مصیبت ہے
پکارو اپنے آقا کو پڑی کیوں نیم بسمل ہو

حضرت زینب بنت فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہما کی منقبت لکھتے ہوئے آخری بند میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں نازش نے یہ انداز اختیار کیا ہے :

وہ جد امجد آپ کے یعنی نبی خیرالبشر
صلوا علیہ والہ اک شان جن کی سربسر
وہ ساکن "طیبہ" ہیں جائے کہاں ان تک نظر
لولاک ان کی شان ہے کرتی ہوں قصہ مختصر
من تشنہ و دل خستہ ام ایں ہدیہ ناکارہ است
بہر خدا چشم کرم ایں نازش بیچارہ است

نزہت، صالحہ نزہت

صالحہ نزہت نام اور نزہت تخلص ہے۔ ان کا آبائی وطن سیوہارہ ضلع بجنور ہے لیکن مقام پیدائش لاہور ہے۔ نزہت کو لاہور کی ادبی فضاؤں میں پروان چڑھنے کا موقع ملا اور اس ماحول نے ان کے قلب و ذہن پر بڑا خوشگوار اثر کیا۔ ان کی شادی مشہور ادیب پروفیسر عبدالصمد صارم سے ہوئی چنانچہ ان کی شاعری اور ادبی صلاحیتوں کو مزید جلا ملی۔ نزہت کے باقاعدہ حالات زندگی کا علم نہیں ہو سکا۔ شفیق بریلوی نے تذکرہ شاعرات پاکستان میں ان کا مختصر ذکر کیا ہے۔ وہ صالحہ نزہت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ "نزہت کو۔۔۔ آگہی عشق حلقہ ہائے فکر میں رہنے کی وجہ سے شاعری کی دنیا میں خدمت کرنے اور ابھرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ ان کی ایک کتاب "نامور بیٹیاں" بھی چھپ کر اہل ذوق سے خراج تحسین حاصل کر چکی ہے۔ ان کی نعتوں میں عقیدت ملتی ہے اور غزلوں میں حقیقی احساس جھلکتا ہے"۔

بحوالہ شفیق بریلوی نزہت کا ایک نعتیہ خمسہ جو قدسی کے مشہور مطلع نعت پر تضمین ہے، ملاحظہ ہو :

ہے ترا مدح سرا رب جہاں لم یزلی
میں کروں مدح کا دعویٰ تو ہے یہ بے ادبی
تیرے قربان میں اے صاحب لولاک نبی
"مرحبا سید مکی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی
تجھ پہ روشن ہے سب احوال خفی اور جلی
تو ہے بندی کا وسیلہ دم حاجت طلبی

نہ کہوں تجھ سے تو کس سے کہوں اے پاک نبی
"مرحبا سید مکی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی"

وہ مصائب کہ جو تھے حصہ کفار کبھی
اہل اسلام پہ اب چھا گئے یکبار سبھی
ہو تمہی عقدہ کشا اور طبیب قلبی
"مرحبا سید مکی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی"

باغ اسلام میں یہ باد خزاں کیسی چلی
پھول مرجھا گئے پژمردہ ہے ہر ایک کلی
نگہ لطف خدارا کہ مری آن بنی
"مرحبا سید مکی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

نسیم فاطمہ بریلوی

۱۸ اپریل ۱۹۳۳ء کو بریلی (یو-پی) کے متمول سید گھرانے میں پیدا ہوئیں۔ گورنمنٹ اسلامیہ ہائی سکول بریلی میں درجہ نہم میں زیر تعلیم تھیں کہ ۱۹۴۷ء کے فسادات شروع ہو گئے، لہٰذا تعلیم کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ ۱۹۴۸ء میں پاکستان آ گئیں۔ ان کی شادی بھی سید گھرانے میں ہوئی۔ نسیم فاطمہ کو اس دور میں کئی مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ خصوصاً تعلیم چھوٹ جانے سے ان کی صحت پر کافی برا اثر پڑا، تاہم انہوں نے بچوں کی درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا۔ آج کی شاعرات میں ان کے بارے میں سلطانہ مہر نے لکھا ہے کہ "نسیم فاطمہ بریلوی نے متعدد نعتیں اور غزلیں لکھی ہیں۔ ان کی طبیعت یک بیک نعتیں لکھنے اور پڑھنے کی طرف مائل ہو گئی تھی۔ انہیں نعتیں کہنے کا شوق جنون کی حد تک ہے۔ شعر میں تصنع کی قائل نہیں ہیں۔ سلاست اور روانی کو شعر کے لئے اولین شرط قرار دیتی ہیں۔ اسی وجہ سے ان کے اشعار میں سلاست بھی ہے اور روانی بھی۔ اپنے کلام پر نسیم نے باقاعدہ کسی سے اصلاح نہیں لی"۔

سلطانہ مہر کے بقول ان کا نعتیہ کلام خاصا ہے مگر نمونے کے طور پر صرف یہ تین شعر نقل کئے ہیں جو خالصتا روایتی نعت گوئی کا نمونہ ہیں :

لٹ رہا ہے کارواں منزل ہے آنکھوں سے نہاں
اے امیر کارواں اب رہبری فرمائیے
اٹھ گئی انسانیت دنیا سے انساں مٹ چکا
کچھ سہارا دیجئے راہ عمل پر لائیے
نسیم حزیں کو مدینے بلا لو
نبی جی تمہارا میں در چوم لوں گی

نسیم، وحیدہ نسیم

والدین اور ننھیال کی طرف سے رکھے گئے نام وحیدہ خاتون اور نسیم فاطمہ کے اول کلمات لے کر انہوں نے وحیدہ نسیم نام اختیار کیا۔ تخلص نسیم ہے۔ ۹ ستمبر ۱۹۲۸ء کو اورنگ آباد (دکن) میں پیدا ہوئیں۔ فتح پور (ضلع بارہ بنکی) اور کاکوری کے مخدوم زادگان سے ان کا خاندانی تعلق ہے۔ ان کے تایا مولوی مزید الدین وکیل اور نانا سید اعجاز حسین اعجاز کی سرپرستی میں تعلیم حاصل کی۔ وحیدہ نسیم نے ۱۹۴۳ء میں ایم ایس سی پاس کیا۔ اگست ۱۹۵۲ء میں پاکستان آئیں اور محکمہ تعلیم سے منسلک ہو گئیں۔ آج کل گورنمنٹ کالج فار ویمن ناظم آباد کراچی میں پروفیسر ہیں۔

وحیدہ نسیم نے شعری و ادبی ذوق اپنے نانا اعجاز کاکوروی اور والدہ عزیز النساء سے ورثے میں پایا۔ اعجاز کاکوروی "اودھ پنچ" لکھنؤ کے قلمی معاون تھے۔ ان کا نعتیہ کلام "مدینہ" بجنور میں شائع ہوتا رہا ہے۔ نسیم کی والدہ عزیز النساء اپنے وقت کی مشہور قلمکار تھیں۔ شمع اعجاز کے نام سے ۱۹۳۰ء سے ۱۹۴۰ء تک کئی زنانہ رسائل میں ان کے مضامین چھپتے رہے ہیں۔

وحیدہ نسیم کا شعری ذوق جامعہ عثمانیہ کی تعلیم کے دوران نکھرا۔ ان کی زیادہ تر نظمیں اسی دور کی یادگار ہیں۔ پہلی نظم ۱۹۴۲ء میں "شباب" حیدر آباد دکن میں شائع ہوئی، بعد ازاں وہاں کے دیگر زنانہ رسائل میں ان کی تخلیقات شائع ہوتی رہیں۔ وحیدہ نسیم کے ناول اور افسانوں کے کئی مجموعے شائع ہو کر خراج تحسین حاصل کر چکے ہیں۔ ایک سفرنامہ اور عورتوں کی زبان پر ایک مستند کتاب "عورت اور زبان" بھی ان سے یادگار ہیں۔ شعری مجموعہ "موج نسیم" اور نعت و سلام کا ایک مجموعہ ان کے شعری ذوق کے آئینہ دار ہیں۔ ڈاکٹر ایوب قادری مرحوم نے ماہنامہ قومی زبان شمارہ اکتوبر ۱۹۸۲ء میں وحیدہ نسیم کا تعارف لکھتے ہوئے ان کی تخلیقات کی فہرست بھی دی ہے۔

وحیدہ نسیم کا ذکر دکن میں اردو، تذکرہ شاعرات پاکستان، آج کی شاعرات اور تاریخ ادبیات پاک و ہند جلد دہم میں موجود ہے۔ وہ بڑی پرگو اور پختہ مشق شاعرہ ہیں۔ ان کا نعتیہ مجموعہ میری نظر سے نہیں گزرا۔ شفیق بریلوی نے ارمغان نعت میں ان کی ایک نعت شائع کی ہے۔ مختصر اور لطیف بحر میں بڑی سادگی اور روانی سے نبی اکرمؐ کے حضور نذرانہ عقیدت پیش کیا گیا ہے۔ یہ چند شعر دیکھئے :

لفظ قرآن کے تری تحسین
تو ہی طٰہٰ ہے اور تو ہی یٰسین
تیرے سجدے ہیں فرش کی دولت
تیرے نعلین عرش کی زینت
تو خدائے بزرگ کی تنویر
تو ہے قرآن پاک کی تفسیر
دل انسانیت میں تیری ضو
خلد تیرے خیال کا پرتو
تو ہی تکمیل ہے نبوت کی
تو ہے معراج آدمیت کی
تو مداوائے کلفت ایوب
تو تمنائے دیدہ یعقوب
نغمہ سرمدی پیام ترا
سدرۃ المنتہا مقام ترا
صاحب تاج صاحب معراج
ہم نگاہ کرم کے ہیں محتاج

نور جہاں نور بدایونی

نور جہاں بیگم نام اور نور تخلص ہے۔ عارف پور نوادہ (بدایوں) میں ۱۹۰۵ء میں پیدا ہوئیں۔ ان کے والد چوہدری اساس الدین کا تعلق بڑے آسودہ حال اور متمول خاندان سے تھا۔ نور ابھی چار سال ہی کی تھیں کہ والد کا انتقال ہو گیا۔ اب نور کی والدہ، نور بدایونی اور ان کی بڑی بہن مخفی بدایونی (پچھلے صفحات میں ان کا ذکر آ چکا ہے) کی کفالت نور کے چھوٹے بھائی کے ذمے تھی لیکن تین سال کے قلیل عرصے میں بھائی کا بھی انتقال ہو گیا۔ باپ اور بھائی کی وفات کے بعد آبائی جائیداد دونوں بہنوں کو ملی۔ نور کی والدہ نے اپنی بہن کے بیٹے امیر حسن صدیقی سے نور کا نکاح اس خیال سے کر دیا کہ ان کے سسرال والے نور کی شادی اپنے خاندان کے کسی جاہل لڑکے سے کرنا چاہتے تھے۔ امیر حسن صدیقی شادی کے وقت صرف انٹرنس پاس تھے۔ نور نے اپنی جائیداد کے سہارے انہیں مزید تعلیم کی ترغیب دی، چنانچہ ان کی تدابیر سے امیر حسن صدیقی مسلم یونیورسٹی کالج علیگڑھ کی کلاسوں سے لے کر ایل ایل بی کی ڈگری تک پہنچے۔ نور نے اعلیٰ تعلیم کی غرض سے اپنے زیورات بیچ کر ان کو انگلستان بھیجا جہاں سے وہ اسلامی تاریخ میں بی اے آنرز اور پی ایچ ڈی کی ڈگریاں لے کر وطن واپس لوٹے اور مسلم یونیورسٹی میں لیکچرار مقرر ہوئے۔ رفتہ رفتہ شوہر کی سردمہریوں نے نور کا سکون چھین لیا۔ وہ بیوی، جس کے طفیل ڈاکٹر امیر حسن صدیقی ایک اعلیٰ مقام پر پہنچے، ان کی بے اعتنائی اور ناروا رویہ سے زندگی کا سکھ چین کھو چکی تھیں۔ نور خود لکھتی ہیں کہ "انگلستان سے واپسی پر کنواری لڑکی کا نام ان کی شادی کا عنوان بن گیا۔ اپریل ۱۹۳۲ء میں انہوں نے اپنا نکاح شاکر حسین بیرسٹر میرٹھ کی لڑکی حلیمہ بیگم سے کر لیا۔ یہ غریب سات ماہ بعد نذر اجل ہوئی۔ میں نے پھر بے حد کوشش کی کہ دوسری شادی نہ کریں لیکن میری کوشش اور منت سماجت کارگر نہ ہوئی"۔

تقسیم پاکستان کے ساتھ ڈاکٹر امیر حسن صدیقی جب پاکستان آنے لگے تو نور نے چاہا کہ وہ بھی ان کے ساتھ چلی جائیں مگر بے وفا اور ناقدر شناس شوہر نے ایک نہ سنی اور محسن بیوی کو چھوڑ کر پاکستان آ گئے۔ نور کے اعزا نے خلع کا نوٹس دیا، وہ بھی یہی چاہتے تھے، چنانچہ اس کے بعد انہوں نے تیسری شادی کر لی۔ ڈاکٹر امیر حسن صدیقی کی وفات کے بعد تیسری بیوی ہی ان کی جائیداد کی وارث قرار پائی۔

نور کی زندگی کا یہ دردناک پہلو، ان کی شاعری میں بھی نمایاں ہے۔ وہ ایک قادر الکلام شاعرہ ہیں۔ ان کی شاعری ان کی دلدوز زندگی کا عکس ہے۔ شدید جذبات، سوز و گداز اور سچائی پر مبنی خیالات نے نور کی شاعری کو حسن عطا کیا ہے۔ جوش ملیح آبادی نے ان کے مجموعہ کلام "خونابہ دل" پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے "نور جہاں بیگم کے کلام میں جذبات کی ترجمانی اور سوز و گداز کی فراوانی اتنی مقدار میں پائی جاتی ہے کہ ان کے دھڑکتے ہوئے دل اور برستی ہوئی آنکھوں کا پرتو ان کے کلام پر اس طرح پڑتا ہے کہ بغیر چشم نم پڑھنا مشکل ہے ------ ان کا کلام اس امر کی غمازی کر رہا ہے کہ ان کے سینے میں ایک اس قدر حساس اور اس حد تک پگھلا ہوا دل ہے جو صرف شاعروں ہی کو عطا ہوا کرتا ہے"۔

ممتاز نقاد حامد حسن قادری ان کے بارے میں رقم طراز ہیں کہ "اس زمانے میں خواتین کی اعلیٰ تعلیم نے بے شمار شاعرات پیدا کر دی ہیں، جن میں بعض واقعتاً شاعر کہلانے کی مستحق ہیں، ان میں ایک نور جہاں بیگم نور بھی ہیں"۔

نور بدایونی کا ضخیم مجموعہ کلام "خونابہ دل" پہلی بار دہلی برقی پریس سے ۱۹۴۰ء میں اور دوسری بار مکتبہ خاتون کراچی سے ۱۹۶۳ء میں شائع ہو چکا ہے۔ خونابہ دل میں نظم، غزل، نعت، منقبت اور مرثیہ، سب کچھ ہے جس سے نور کی پختہ کلامی کا اظہار ہوتا ہے۔ مولانا عبدالمجید سالک، جوش ملیح آبادی، حامد حسن قادری اور ڈاکٹر عندلیب شادانی جیسے نقادان ادب نے ان کی صلاحیتوں کی تعریف کی ہے۔ نور کا عہد اقبال کے شعری آہنگ سے وابستہ ہے چنانچہ نور بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکیں۔ انہوں نے الفاظ و تراکیب اور صوری و

معنوی محاسن میں اقبال کے طرزِ خاص کو بڑی کامیابی سے اپنایا ہے۔ اس لحاظ سے انہوں نے بڑی بلند اور قابل قدر نظمیں تخلیق کی ہیں اور زبان و بیان کے اقبالی رنگ سے حیات افروز شاعری کی ہے۔

نور کو اسلامیات سے گہرا لگاؤ ہے چنانچہ ان کی دیگر اسلامی نظموں کے علاوہ ان کے نعتیہ کلام کی تعداد خاصی ہے۔ نور کے نعتیہ کلام میں ان کا پختہ لہجہ، لفظوں کی تراش خراش، خیالات کی جدت اور اظہار کی تازگی ہے۔ ان کا اسلوب نعت مولانا ظفر علی خان کے طرز نعت گوئی سے متاثر معلوم ہوتا ہے۔ مضمون آفرینی اور فکر کی تازگی سے ان کی نعت کا رنگ نکھرتا ہے۔ پھر ان کے جذبے کی شدت اور سچائی ان کی فکر میں توانائی پیدا کر رہی ہے۔ ان کی نعت جہاں ان کی دلی کیفیات کی آئینہ دار ہے، وہاں ان کے جذبہ اسلامیت کے جوش اور سیرت اطہر کی رعنائیوں سے کہتیں بکھیرتی چلی جاتی ہے۔ سراپائے مبارک میں سیرت اقدس کی جھلکیاں اور شان محبوبی کی جلوہ فروزیاں کچھ اس انداز سے ہیں :

ہو گیا نقاش قدرت ان پہ شیدا آپ خود
شان محبوبی کی جب دیکھیں عیاں زیبائیاں
حسن یوسف مصر کے بازار کی رونق بنا
ہیں نبی کے حسن سے کونین کی رنگینیاں
ہے تبسم گل میں خوشبو پھول میں غنچہ میں رنگ
ہے چمن شاداب اس سے سربسجدہ ڈالیاں
قلزم عرفاں کا گوہر گلشن قدرت کا پھول
بیکسوں کا آسرا مجبور کی تاب و تواں
تھا یہ اس ہادی کی تعلیم مکمل کا اثر
بن گئے وہ بادشاہ وقت جو تھے ساربان
وہ محمد جو غریبوں کے لئے ابر کرم

وہ محمد جابروں کے حق میں جو برق تپاں
وہ محمد جس کی ہیبت سے دل باطل دونیم
وہ محمد جس کی رحمت پردہ دار عاصیاں

لب پر فدا لعل یمن دندان پر در عدن
ہے معدن صدق و صفا محبوب حق شاہ زمن
قندیل حق کا نور ہے دل جلوہ گاہ طور ہے
ہے شمع بزم اصطفا محبوب حق شاہ زمن

پیغمبر آخرالزماں کی آمد سے دنیا میں رونما ہونے والے انقلاب سے سیاسی، تمدنی اور معاشرتی برائیوں کا خاتمہ ہوا۔ بعثت سے قبل دنیا کی تمام برائیاں ایک تناور درخت کی جڑوں سے زیادہ گہری معاشرے کی رگوں میں اتری ہوئیں تھیں، لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارک سے دور جہالت کا خاتمہ ہوا اور دنیا کی ہر برائی اور معصیت کاری کو جڑ سے اکھاڑ دیا گیا۔ اکثر نعت گو شعراء نے اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے۔ نور بدایونی نے بھی اس موضوع پر قلم اٹھاتے ہوئے تین نظمیں تخلیق کی ہیں۔ ان کے عنوانات "ورود سعید" "نوید ولادت" اور "رحمۃ للعالمین کی تشریف آوری" ہیں۔ آخرالذکر دونوں نظموں میں، شاعرہ نے حفیظ جالندھری کے شاہنامہ اسلام کی طرز میں بہت عمدہ مضامین رقم کئے ہیں۔ حشو و زوائد سے پاک الفاظ اور بیان کی پختگی و روانی سے نور کے اشعار میں بے حد شگفتگی پیدا ہو گئی ہے۔ نمونے کے لئے نوید ولادت کے چند شعر دیکھئے :

برائے تہنیت پھولوں کے گلدستے چمن لایا
گلستان جہاں میں وہ حبیب ذوالمنن آیا
ستاروں سے مزین آج ہے افلاک کا سینہ
خدا کے نور سے روشن ہوا ہے خاک کا سینہ
سلامی کے لئے حاضر ہوئے ہیں سب مہ و اختر

تصدق کو کرن کے پھول لایا ہے شہ خاور
یہ ابلیس لعیں عرفات کے میداں میں چلایا
ہمارے انتظام سلطنت میں اب خلل آیا
مٹے گی اپنی شوکت اپنا پرچم سرنگوں ہوگا
جلال حق سے آج اپنا سفینہ غرق خوں ہوگا
یہ مژدہ خلق کو دیتے ہوئے روح الامیں آئے
شفیع عاصیاں' محبوب رب العالمیں آئے
شہ عالی گہر والا نسب تشریف لاتے ہیں
اٹھو مہر عجم' ماہ عرب تشریف لاتے ہیں
تعالی اللہ چلی باد بہاری آج بطحا میں
ہے پھیلی نکہت افضال باری آج بطحا میں
تولد آمنہ کے گھر رسالت کا گھر ہوگا
منور جلوہ عارض سے اس کے بحر و بر ہوگا
تباہی سے بچائے گا یہ انساں کے سفینے کو
مئے وحدت سے بھر دے گا جہاں کے آبگینے کو
پیام زندگی بن کر مسیحا کی نوید آئی
کٹی آلام کی شب زندگی کی صبح عید آئی

"درود سعید" میں نور بدایونی نے بڑے عمدہ پیرائے میں معصیت کے اندھیروں میں چمکتے ہوئے انقلاب کی آمد اور اس کی تابانیوں سے دنیا کے گوشے گوشے میں پھیلنے والے اجالے اور خوشبوؤں کا ذکر کیا ہے۔ اس طویل نظم کے یہ بند ملاحظہ ہوں:

پھر رویہ پر بشر کے عقل نے تنقید کی
کلک قدرت نے نظام زیست کی تجدید کی

شام غم آئی خبر لے کر صباح عید کی
زندگی کے شرق پر چمکی کرن امید کی
چھائی اطراف جہاں پر رحمت رب ودود
دامن شب سے سحر پڑھتی ہوئی اٹھی درود
پھر ہوئی فاران کی وادی میں رحمت خیمہ زن
اس گل لولاک کی خوشبو نے مہکایا چمن
مصلح عالم ہوا وہ دہر میں جلوہ فگن
جس نے انساں کو دیا انسانیت کا پیرہن
اس کے دم سے رنگ بدلا دفعتاً ماحول کا
ہو گیا قائل زمانہ اس کے فعل و قول کا

اس طرح "رحمتہ للعالمین کی تشریف آوری" میں شاعرہ نے کہیں زیادہ توانا لہجے میں صبح سعادت کی تصویر کشی کی ہے۔ ایک بند دیکھئے:

جو مہکایا گل قدرت نے شاخ زندگانی کو
لیا طفلی نے بڑھ کر اس حیات جاودانی کو
سلامی شوکت و صولت تنے دی اس شادمانی کو
رسالت چومنے آئی جبین کامرانی کو
بلائیں باغ رضواں کی ہوا لیتے ہوئے آئی
فضا میں لوریاں معصومیت دیتی ہوئی آئی

نور کے مجموعہ کلام سے' طوالت سے گریز کی خاطر' ان کے ایک نعتیہ سلام کے کچھ منتخب شعر درج کئے جاتے ہیں:

سلام اے پیکر انور سلام اے ظل سبحانی
سلام اے ماہ اوج شرع' شمع بزم امکانی

سلام اے دادِ مظلومی، علاجِ دردِ محکومی
سلام اے بیکسوں کے دادرس اسلام کے بانی
سلام اے توڑنے والے دلِ اصنامِ باطل کے
سلام اے لانے والے خلق میں پیغامِ ربانی
دلانے والے حق حقدار کا دنیائے جابر سے
ملی تیرے محل میں تیرہ بختوں کو درخشانی

نور کا ذکر تذکرہ شاعرات اردو، تذکرہ شاعرات پاکستان اور آج کی شاعرات میں تفصیل سے ملتا ہے۔ رفیع الدین اشفاق نے اردو میں نعتیہ شاعری اور ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہانپوری نے تذکرہ نعت گو شاعرات میں ان کا مختصر ذکر کرتے ہوئے ایک ایک نعت کا نمونہ دیا ہے۔ بہر حال نور کا مقام اردو نعتیہ شاعری میں مسلمہ ہے کہ اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت کو اپنے سچے جذبے اور عشق کی انتہاؤں کو چھوتے ہوئے اپنے خوبصورت انداز میں بیان کیا ہے اور اس کی تمام تر خامہ فرسائی اسی ذات اقدس کے لئے ہے۔ ان کے کلام کا اگر فنی لحاظ سے تجزیہ کیا جائے تو یہ واضح ہے کہ ان کی شعر گوئی میں پختگی فکر و فن کے جو عناصر موجود ہیں، ان کی مثال بہت ہی کم نعت گو شاعرات میں نظر آتی ہے۔

نوشابہ خاتون

نوشابہ خاتون نام اور نوشابہ تخلص ہے۔ ۱۹۰۰ء میں امروہہ میں پیدا ہوئیں لیکن بچپن ہی میں اپنے والد کے ساتھ حیدر آباد دکن میں سکونت اختیار کی۔ ان کے والد مولوی عبد الحق قریشی نائب ناظم پولیس تھے۔

نوشابہ کی تعلیم خانگی طور پر ہوئی۔ چھ سال کی عمر میں قرآن مجید بلکہ اچھی طرح اردو پڑھنا لکھنا بھی آگیا۔ ساتویں سال فارسی کا آغاز ہوا۔ اس کے ساتھ ساتھ مطالعہ کے شوق نے اپنے والد کے کتب خانے کی سب کتابیں ختم کرا دیں۔ نو سال کی عمر میں افسانہ نگاری کا شوق ہوا۔ والدین کی طرف سے اعلی تعلیم کی اجازت بڑی مشکل سے ملی، چنانچہ کئی سال بعد نوشابہ نے صرف چار ماہ کی قلیل مدت میں انگریزی اور اسلامیات میں اعلی نمبر حاصل کر کے میٹرک پاس کر لیا۔ باقاعدہ تعلیم کے تحت ۱۹۲۲ء میں ایف اے اور ۱۹۲۴ء میں جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن سے بی اے پاس کیا۔ جامعہ عثمانیہ میں یہی وہ خاتون تھیں، جنھوں نے خواتین میں سب سے پہلے بی اے کی ڈگری حاصل کی۔ بی اے کے بعد ان کی شادی ملا فخر الحسن سے ہو گئی پھر ویمن کالج حیدر آباد میں انگریزی اردو اور فارسی کی لیکچرار مقرر ہو گئیں۔

نوشابہ خاتون کو دس سال کی عمر سے شاعری کا شوق ہوا۔ منطق، فلسفہ اور ادبیات عربی کے مطالعہ نے کسی استاد سے مشورہ کی ضرورت باقی نہ رکھی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری جدید خیالات سے مزین ہے۔ تحریک خلافت کے دور میں ان کی نظمیں نہایت مقبول ہوئیں۔ نوشابہ کی نظموں میں مذہبی اور قومی جذبات ملتے ہیں۔ ان کے ہاں طرز ادا کی ندرت اور صفائی و بلندی ہے۔ کلام میں حد درجہ سوز و گداز ہے اور ان کی پختہ گوئی کا آئینہ دار ہے۔ مجموعہ کلام "موج تخیل" کے نام سے ۱۳۵۷ ہجری میں حیدر آباد سے شائع ہو چکا ہے۔ سلیمان اریب "حیدر آباد کے شاعر" کی جلد دوم میں اس عجیب اور افسوس ناک امر کی

نشاندہی کرتے ہیں کہ "جس دن موج تخیل شائع ہوا، اسی دن ان کا ذہنی توازن بگڑ گیا اور آج بھی جب کہ وہ بقید حیات اور کافی بوڑھی ہو چکی ہیں، فاتر العقل ہی ہیں"۔

نوشابہ کا ذکر نصیر الدین ہاشمی کی خیابان نسواں، خواتین دکن کی اردو خدمات، دکن میں اردو، تذکرہ شاعرات اردو، حیدر آباد کے شاعر (جلد دوم) اور رفیع الدین ہاشمی کی کتاب "اردو میں نعتیہ شاعری" میں تحریر ہے۔ ڈاکٹر ابو سلمان نے نعت گو شاعرات میں مختصر حالات اور چند اشعار کا نمونہ دیا ہے۔

موج تخیل میں نوشابہ نے مختلف عنوانات پر طبع آزمائی کی ہے۔ ۱۶۸ صفحات پر مشتمل مجموعہ کلام میں محاکاتی نظمیں بھی ہیں اور اخلاقی و اصلاحی مضامین بھی ملتے ہیں۔ وطنی اور قومی خیالات پر بھی شاعرہ نے اظہار خیال کیا ہے اور حمد و نعت میں بھی اپنی دلی کیفیات اور خیالات کی ترجمانی کی ہے۔

نوشابہ کے کلام میں چار حمدیہ نظمیں شامل ہیں۔ یہاں ان کی نعت گوئی کا ذکر مقصود ہے۔ ایک حمدیہ نظم "بیت اللہ شریف کی زیارت" کے تاثرات رقم کرتے ہوئے نوشابہ نے کچھ نعتیہ شعر بھی تحریر کئے ہیں۔ ایک شعر دیکھئے :

پوری ہوئی عیسیٰ کی بشارت زہے قسمت
احمد سا نبی اس جگہ پیدا جو ہوا ہے

اس طرح ایک نظم "چند آرزوئیں" میں ان جذبات کا اظہار کیا گیا ہے :

روضہ پاک میں حسرت رہی مدفن ہوتا
گر مدینہ نہ تھا قسمت میں کہ مسکن ہوتا
ہوتی جاروب کشی مرقد انور کی نصیب
کاش ظلمت کدہ ہند نہ قدغن ہوتا
حب نبوی جو رگ و پے میں سرایت کرتی
جسم خاکی مرا انوار کا معدن ہوتا

سایہ گنبد خضری جو مجھے مل جاتا
طائر روح کا طیبہ میں نشیمن ہوتا

آخری شعر میں نوشابہ نے قدرے ردوبدل کے ساتھ شہیدی ہی کے اس مضمون کو ادا کیا ہے :

تمنا ہے درختوں پر ترے روضے کے جا بیٹھوں
قفس جس وقت ٹوٹے طائر روح مقید کا

نوشابہ خاتون کی نعت میں اصلاحی اور مقصدی رنگ نمایاں ہے۔ ان کے نزدیک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اولین مقصد ہے۔ وہ داغ دل کو لالہ گلشن بھی کہتی ہیں تو اس کو سنت نبوی کی پیروی کا عطیہ قرار دیتی ہیں :

پیروی سنت نبوی کی میسر ہوتی
داغ دل پھر تو مرا لالہ گلشن ہوتا

نوشابہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی توصیف میں بڑی خوبصورت تراکیب اور عمدہ تشبیہات کا استعمال کیا ہے۔ ایک نعتیہ مسدس جو ۲۱ بندوں پر مشتمل ہے، اس کے ابتدائی بندوں میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان خطابات سے مخاطب کیا ہے، جو مشروع حیثیت رکھتے ہیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اقدس میں ایسے مضامین منتخب کئے ہیں جو آپ کے انقلابی پہلوؤں کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ ایسے پہلوؤں کی طرف توجہ اصل میں ایک نعت گو کے اس مقصد کی ترجمانی ہے، جو انسانیت اور پوری دنیا کے سامنے رسول مقبولؐ کے اسوہ حسنہ اور عظمت کے طور پر پیش ہو۔ نوشابہ نے اپنی نعت میں اس افادیت کو پیش نظر رکھا ہے۔ اس لحاظ سے ان کی نعت گوئی جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت و ارادت کا نتیجہ ہے، وہاں خواص و عوام کی فلاح اور طول و عرض میں احساس اور بیداری کی ایک عام لہر پیدا کر رہی ہے اور ایسی خوشگوار فضا مہیا کرتی ہے، جس سے فکر و نظر اور علم و عمل کے رجحانات میں ایک تعمیری انقلاب پیدا ہوتا ہے۔ یہی مقصدیت شاعرہ کے

ہاں جذب وکیف اور پرلطف تاثرات سے ہم آہنگ ہوتی ہے۔۲۱ بندوں کی اس طویل نعت سے نمونے کے چند بند ملاحظہ فرمائیں :

سپہر برج شرافت کا نیر توحید
وہ آسمان ہدایت کا اختر توحید
وہ تاج راس سعادت کا گوہر توحید
وہ یعنی بزم صداقت کا سرور توحید
حبیب خالق اکبر پہ ہو درود و سلام
ہزار بار پیمبر پہ ہو درود و سلام

دلوں سے زنگ کدورت چھڑا دیا جس نے
وہ ذات نقش عداوت مٹا دیا جس نے
وہ ذات ذکر خصومت بھلا دیا جس نے
وہ جام بادہ الفت پلا دیا جس نے
حبیب خالق اکبر پہ ہو درود و سلام
ہزار بار پیمبر پہ ہو درود و سلام

غلام و بندہ برابر ہیں جس کی ہے تعلیم
نہیں ہے رومی و تازی میں رنگ کی تقسیم
خدا کی ذات ہے بس ایک واجب التعظیم
جھکے نہ خلق کے آگے کبھی سر تکریم
حبیب خالق اکبر پہ ہو درود و سلام
ہزار بار پیمبر پہ ہو درود و سلام

شہ حجاز و عرب جس کا ٹاٹ بستر تھا
بایں ہمہ جسے گنج شہی میسر تھا

ردائے کہنہ میں ملفوف جسم اطہر تھا
عبائے شاہی تھی تن پر نہ تاج و افسر تھا
حبیب خالق اکبر پہ ہو درود و سلام
ہزار بار پیمبر پہ ہو درود و سلام

حواشی

۱ ۔ عربی میں نعتیہ کلام، عبداللہ عباس ندوی، میزان ادب کراچی، ص، ۴۴،۴۵

۲ ۔ عربی میں نعتیہ کلام، ایضاً ص۱۱۹

۳ ۔ مولانا شبلی اور دیگر چند ایک محققین نے دیوان مخفی کو الحاقی قرار دیا ہے لیکن اس سلسلے میں کوئی معتبر شہادت درج نہیں کی۔ مشاہیر نسواں (مطبوعہ ۱۹۰۱ء) کے مولف محمد عباس نے بھی اس شک کا اظہار کیا ہے اور لکھا ہے کہ "ایک اور شاعرہ جس کا تخلص مخفی تھا، ہو سکتا ہے کہ یہ دیوان اسی کا ہو"۔ منیر لکھنوی مصحح دیوان مخفی نے چند شعری حوالوں سے استدلال کیا ہے کہ یہ دیوان زیب النساء ہی کا ہے۔ واللہ اعلم!

۴ ۔ ذکر خیر کے علاوہ ان کی دوسری قابل ذکر تصنیف "حیات عبدالحی" ہے، جس میں ان کے والد مولانا عبدالحی مرحوم کے حالات تحریر کئے گئے ہیں۔ یہ کتاب مجلس نشریات اسلام کراچی سے طبع ہو چکی ہے۔

۵ ۔ مولانا ابوالحسن ندوی نے عربی زبان میں "قصص النبیین الاطفال" کے نام سے تین حصے تصنیف کئے، جن کا اردو ترجمہ ان کی مرحومہ بہن امتہ اللہ تسنیم نے کیا تھا، اور اس کے بعد مزید دو حصے مرحومہ نے اردو میں تصنیف کئے۔

۶ ۔ راجہ مہدی علی خان کی طنز و مزاح پر مشتمل نظموں کا مجموعہ "انداز بیاں اور" اور "مضراب" شائع ہو چکے ہیں۔

۷ ۔ کمال الدین سنجر طہران کے ایک باحیثیت اور معزز خاندان کے رکن تھے۔ سنجر اور ان کی بہن رخشندہ خانم، ناصرالدین قاچار (ف۔ ۱۸۹۶) کے دربار سے وابستہ تھے۔ کسی وجہ سے شاہ قاچار کے زمانے میں دونوں بہن بھائی ترک وطن کر کے ہندوستان پہنچے اور نواب شاہجہان بیگم کے زمانے میں بھوپال میں مقیم ہوئے۔ آخری عشرے میں بھوپال کو خیرباد کہہ کر ھیکم پور آئے اور نواب مزمل اللہ خان

شروانی کے استاد مقرر ہوئے۔ ان کی بہن رخشندہ خانم نواب صاحب کی دختران نعمت خاتون شروانیہ اور زاہدہ خاتون شروانیہ کی اتالیق مقرر ہوئیں۔ سنجر نے ہندوستان کے اکثر بلاد و امصار کی خاک چھانی، چھوٹے چھوٹے رؤساء کی تعریف میں بڑے بڑے قصیدے لکھے۔ بڑے خوش مزاج اور لطیف طبع تھے۔ ان کی غزلوں کا دیوان اور مجموعہ قصائد طبع ہو چکے ہیں۔ (بحوالہ "علیگڑھ تحریک اور قومی نظمیں" الطاف بریلوی)

۸ ۔ مضمون، "اردو کی ایک گمنام شاعرہ از ممتاز علی سہاوری" ۔ تہذیب نسواں، شمارہ ۲۷ دسمبر ۱۹۴۱ء، ص ۱۰۳۱

کتابیات

۱ - تذکرۃ النساء نادری - درگا پرشاد نادر - مطبع اکمل المطابع دہلی - ۱۸۸۴ء

۲ - تذکرہ شمیم سخن - مولوی عبدالحی صفا - نول کشور لکھنؤ - ۱۸۹۱ء

۳ - تذکرۃ الخواتین - مولوی عبدالباری آسی - نول کشور لکھنؤ - ۱۹۲۷ء

۴ - تذکرہ جمیل - عبدالرزاق بسمل - حیدر آباد دکن - ۱۹۳۹ء

۵ - تذکرہ بیگمات بھوپال - و - ا - صاحبہ - دار الاشاعت پنجاب لاہور - ۱۹۳۲ء

۶ - مشاہیر نسواں - محمد عباس - مطبع خادم التعلیم پنجاب لاہور - ۱۹۰۱ء

۷ - تذکرہ شاعرات اردو - جمیل احمد بریلوی - قومی کتب خانہ بریلی - ۱۹۴۳ء

۸ - تذکرہ شاعرات پاکستان - شفیق بریلوی - مکتبہ خاتون پاکستان کراچی - ۱۹۶۱ء

۹ - تذکرہ بہارستان ناز - حکیم فصیح الدین رنج - مجلس ترقی ادب لاہور - ۱۹۶۵ء

۱۰ - قاموس المشاہیر - نظامی بدایونی - (۲ جلدیں) بدایوں - ۱۹۲۴ء

۱۱ - آفتاب حرم - طفیل احمد بدر امروہوی - تاج کمپنی لمیٹڈ - ۱۹۴۹ء

۱۲ - آج کی شاعرات - سلطانہ مہر - محراب ادب کراچی - ۱۹۷۳ء

۱۳ - دکن میں اردو - نصیر الدین ہاشمی - اردو مرکز لاہور - ۱۹۵۴ء

۱۴ - خواتین دکن کی اردو خدمات - نصیر الدین ہاشمی - عبدالرزاق تاجر کتب حیدر آباد دکن - ۱۹۴۰ء

۱۵ - خیابان نسواں - نصیر الدین ہاشمی - عصمت بک ڈپو لکھنؤ - ۱۹۳۸ء

۱۶ - دختران ہند - علم الدین سالک (حصہ اول) - ملک ہاؤس لاہور - تاریخ اشاعت درج نہیں

۱۷ - حیات ز - خ - ش - مولفہ انیس ہارون شروانیہ - اعجاز پرنٹنگ پریس حیدر آباد (دکن)

۱۸ - تذکرہ نعت گو شاعرات - ابو سلمان شاہجہان پوری - ادارہ تحقیق و تصنیف کراچی - ۱۹۸۴ء

۱۹ - کلام نسواں - جمیل برنی - برقی پریس حیدر آباد دکن - تاریخ طباعت درج نہیں -

۲۰ - حیدر آباد کے شاعر (۲ جلدیں) خواجہ حمید الدین شاہد - ساہتیہ اکیڈمی حیدر آباد دکن - ۱۹۵۸ء

۲۱ - قاموس الکتب (جلد اول) - انجمن ترقی اردو کراچی -

۲۲ - وضاحتی کتابیات (۷۸-۱۹۷۷ء) گوپی چند نارنگ - ترقی اردو بیورو نئی دہلی - ۱۹۸۳ء

۲۳ - تاریخ ادبیات پاک و ہند (جلد دہم) پنجاب یونیورسٹی لاہور - ۱۹۷۲ء

۲۴ - تاریخ ادب عربی (مترجم اردو) مولفہ استاد احمد حسن زیات - کتاب منزل لاہور - ۱۹۷۲ء

۲۵ - عربی میں نعتیہ کلام - عبداللہ عباس ندوی - میزان ادب کراچی - ۱۹۷۸ء

۲۶ - اردو کی نعتیہ شاعری - ڈاکٹر طلحہ برق رضوی - دانش اکیڈمی بہار - ۱۹۷۴ء

۲۷ - اردو میں نعتیہ شاعری - ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق - اردو اکیڈمی سندھ کراچی - ۱۹۷۶ء

۲۸ - جدید شعرائے اردو - عبدالوحید - فیروز سنز لاہور -

۲۹ - علیگڑھ تحریک اور قومی نظمیں - الطاف بریلوی - ایجوکیشنل پریس کراچی - ۱۹۷۰ء

۳۰ - پردہ - مولانا مودودی - اسلامی پبلی کیشنز لاہور -

۳۱ - پرانے چراغ (جلد دوم) سید ابوالحسن ندوی - مجلس نشریات اسلام کراچی - ۱۹۸۱ء

۳۲ - تحریک پاکستان میں خواتین کا کردار - شمیم جالندھری - ادارہ مصنفات لاہور - ۱۹۸۱ء

۳۳ - تحریک پاکستان اور خواتین - نور الصباح بیگم - شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور -

۳۴ - ارمغان نعت - مرتبہ شفیق بریلوی - نفیس اکیڈمی کراچی - ۱۹۷۹ء

۳۵ - گلدستہ نعت - مرتبہ ضیا محمد ضیا و طاہر شادانی - لاثانی ناشرین لاہور - ۱۹۷۸ء

۳۶ - خیر البشر کے حضور میں - مرتبہ ممتاز حسن - ادارہ فروغ اردو لاہور - ۱۹۷۵ء

۳۷ - صلی اللہ علیہ وسلم - مرتبہ راز کاشمیری - سیرت مشن پاکستان لاہور - ۱۴۰۰ھ

۳۸ - رحمتہ للعالمین (جلد دوم) مولانا سلیمان سلمان منصور پوری - طبع اول ۱۹۲۱ء

۳۹ - متن میں متذکرہ اور دیگر شعری مجموعے

رسائل

۱ ۔ شریف بی بی۔ شمارہ اپریل ۱۹۰۹ء

۲ ۔ ہفت روزہ تہذیب نسواں۔ شمارہ ۲۷ دسمبر ۱۹۴۱ء نومبر ۱۹۴۲ء

۳ ۔ ماہنامہ قومی زبان۔ شمارہ اکتوبر ۱۹۸۲ء

۴ ۔ مہک۔ (مجلہ گورنمنٹ کالج گوجرانوالہ) گوجرانوالہ نمبر۔ ۱۹۸۴ء

۵ ۔ ماہنامہ شام و سحر۔ نعت نمبر (سلسلہ نمبر ۱ تا ۶)

۶ ۔ تحریریں۔ نعت نمبر (۲) ۱۹۸۵ء

۷ ۔ اقراء (مجلہ گورنمنٹ ایم او کالج لاہور) سیرت نمبر